جملہ حقوق محفوظ

۱۸۵۶۷ درالف

یادِ رفتگان

ہندوستان کے مشہور اولیائے کرام و صوفیائے عظام

کے حالاتِ زندگی

الناظر بک ایجنسی لکھنؤ

مؤلفہ

منشی محمد الدین صاحب فوقؔ ایڈیٹر طریقت لاہور

قلم الفقرا ملک محمد الدین صاحب ایڈیٹر

رسالہ صوفی و زمیندار منڈی بہاؤالدین

ضلع گجرات پنجاب کیلئے

[illegible] پریس لاہور میں چھپی

موت کے بعد اور قیامت سے پہلے

اِنسان پر کیا حالت گذرتی ہے اُس کی مفصل کیفیت اگر آپ ملاحظہ فرمانا چاہتے ہیں تو بواپسی ڈاک ایک جلد

برزخ

طلب فرمائیے اس میں بحوالہ اسناد قرآن مجید و حدیث شریف نبوی صلعم وہ تمام باتیں درج ہیں جن کا جاننا ہر ایک مسلمان کیلئے باعث ازدیاد و تکمیل ایمان ہے۔ یہ کتاب سید محمد شاہ صاحب سابق ایڈیٹر اخبار آبزرور لاہور و الحق سندھ کی عرصہ دراز کی محنت و جانکاہی کا ثمرہ ہے۔ صاحب موصوف علیگڈھ کالج کے ہونہار نوجوان ہیں جنہوں نے بی اے تک تعلیم پائی ہے ایک کامیاب دنیوی زندگی اور دنیاوی جاہ و جلال عیش و ثروت سے آپکی طبیعت ایسی اُچاٹ ہوئی کہ تمام تعلقات دُنیا کو خیرباد کہدیا اور گیروے کپڑے اوڑھکر حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی قدس سرہٗ کی مزار مبارک پر معتکف ہو گئے حضرت محبوب الٰہی کے قرب نے آپ کے آئینہ دل کو وہ جلا دیا جس کی تعریف الفاظ میں ادا کرنا مشکل ہے یہ کتاب اُس نورانی جلوہ کا عکس ہے جو فلسفہ جدید کے ایک ماہر نے قرآن و حدیث کی چاشنی دیکر لکھی ہے۔ گویا یہ ایک معجون مرکب ہے جس کی ایک خوراک ہی نئی تعلیم کا سوداوی مادہ نئی روشنی والوں کی بگڑی ہوئی طبائع سے نکالکر ان کو بالکل صاف کر دیتا ہے۔ جیسا کتاب کا مضمون ہے ویسا ہی کاغذ اور چھپائی میں خاص اہتمام کیا گیا ہے باوجود ان تمام خوبیوں کے قیمت صرف بارہ آنے (۱۲ر) علاوہ محصول ہے حصول برکات و تازگی ایمان کے لئے ایک نسخہ ہر ایک مسلمان کو مطالعہ کرنا چاہیئے ٭

حیات داغ ملک الشعراء و جہان استاد مرزا داغ دہلوی کے باتصویر حالات زندگی قیمت (۶ر

حیات حالی شمس العلماء مولانا الطاف حسین صاحب حالی کے باتصویر حالات زندگی۔ قیمت (۶ر

یادِ رفتگان اس کتاب میں شہر لاہور کے خصوصاً اور پنجاب کے عموماً جملہ اولیائے کرام و صوفیائے عظام کے حالات نہایت شرح و بسط کے ساتھ درج کئے ہیں۔ ڈاکٹر محمد اقبال صاحب ایم۔ اے اور خواجہ حسن نظامی صاحب مصور فطرت دہلوی نے از حد پسند کیا ہے۔ قیمت بارہ آنے .. .. (۱۲ر

الوارث حضرت حاجی سید وارث علی شاہ صاحب کے حالات زندگی۔ قیمت .. (۸ر

حیات ابدی حضرت رابعہ بصری کے حالات زندگی۔ قیمت .. (۴ر

مولانا روم حضرت مولانا روم کے حالات زندگی۔ قیمت .. (۲ر

حیات عائشہؓ حضرت عائشہ صدیقہ کے حالات زندگی۔ قیمت .. (۱۲ر

حیات امام مسلم حضرت امام مسلم کے حالات زندگی قیمت چار آنے .. (۴ر

حیات امام مالک حضرت امام مالک کے حالات زندگی۔ قیمت .. (۲ر

المشتہر

مینجر کارخانہ صوفی آبحیات ڈاکخانہ صوفی آبحیات پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات

حرم شریف مدینہ منورہ کا سطحی خاکہ

یہ نقشہ ایڈیٹر صاحب صوفی اپنے گذشتہ حج میں مدینہ منورہ سے اپنے ہمراہ لائے تھے۔ یہ ایک ترک انجینئر نے موقع کی پیمائش کر کے پیمانہ سے بنایا ہے۔ نہایت عمدہ متبرک اور عجیب چیز ہے۔ مسجد نبوی میں جہاں جہاں ستون ہیں نقشے میں وہاں ایک چھوٹا سا دایرہ بنا دیا ہے حضرت سرورِ کائنات کے عہد مبارک میں مسجد میں جس قدر حد تھی اسکو سبز رنگ دیا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ حضرت عثمان بن عفان اور خلفاء نے اپنے عہد میں جسقدر ایزادیاں کی ہیں سب علیحدہ علیحدہ رنگ سے دکھائی گئی ہیں۔ ریاض جنت کا ٹکڑا جسکے ستون کا رنگ موقع پر تمیز کیلئے زرد رنگ ہے۔ نقشہ میں بھی ستونوں پر یہی رنگ دیا گیا ہے۔ باب الرحمۃ۔ باب السّلام۔ باب النساء۔ باب جبرئیل۔ باب المجیدی وغیرہ سب عین مطابق موقعہ پیمانے سے بنائے گئے ہیں۔ روضہ شریف جناب رسول مقبول صلعم اور حضرات ابا بکرؓ صدیق۔ حضرت عمر خطابؓ کی اصلی جگہ موقعہ پر ظاہر کر دی گئی ہے۔ سٹور (مخزن) اور کتب کے کمروں بستان فاطمۃ الزہرؓا۔ بیر فاطمہ اور دیگر ضروری مقامات بھی دکھائے گئے ہیں۔ منبر محراب النبی صلعم۔ محراب عثمانؓ۔ جائے تکبیر سب دکھائے گئے ہیں۔ یہ نقشہ پانچ رنگوں میں تیار کرایا گیا ہے۔ معہ رول و کپڑا روغنی نقشہ کی قیمت صرف ایک روپیہ (عہ) ہے جو ان خوبیوں کے مقابلہ میں کچھ بھی قیمت نہیں۔

ملنے کا پتہ

مینیجر کارخانہ صوفی آبحیات ڈاکخانہ صوفی آبحیات

پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات

(پنجاب)

۷۸۶

مقدمہ

جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ راگ اور سرود و سماع و مزامیر جائز ہے۔ یا نہیں۔ اور اگر جائز ہے تو کن صورتوں میں۔ اور راگ سننے اور سنانے والے کن خیالات کے ہونے چاہئیں۔ اور گانا کس مضمون پر اور حاضرین مجلس کے اخلاق و عادات کیسے ہوں۔

گانا کسے کہتے ہیں اور وہ کن کیلئے حرام ہے

صاحب رسالہ حرمت و اباحت سرود لکھتے ہیں کہ گانا ایسے اشعار کو خوش الحانی سے ادا کرنے کا نام ہے۔ جن میں محبوب کا ذکر ہو۔ اور جس سے سننے والوں کے دل میں محبوب کے دیکھنے اس کی رضامندی کرنے اور اس کی ناراضی سے ڈرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ صاحب کتاب تحقیقات چشتی کے خیال میں سماع ایک پرندہ ہے۔ یعنی لے جانے والا انسان کو جدھر اس کی رغبت ہو۔ پس اگر اس کو شوق الٰہی ہے۔ تو سماع اس کو اسی طرف لے جائے گا۔ اور اگر وہ گرفتار پنجۂ عشق مجازی ہے تو اس کی حالت اور بھی بدتر ہو جائے گی۔ قاضی ثناء اللہ صاحب مرحوم پانی پتی مؤلف مالابد منہ والسیف المسلول وغیرہ جو ایک عالم متبحر اور فاضل اجل ہو گذرے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ عوام الناس جن کے دلوں میں عورتوں یا مردوں سے ملنے کا شوق ہوتا ہے وہ چونکہ گانا سن کر شہوت نفسانی کی طرف چلے جاتے ہیں اس لئے ایسے لوگوں کے لئے ہر حالت میں بھی گانا سننا حرام کیا گیا ہے۔

گانا سننا جائز ہے یا نہیں

مشائخ میں تو گانا سننا جائز ہے۔ اور سلسلہ عالیہ چشتیہ میں اس کا رواج بدرجہ کمال بلکہ عبادت ہے۔ مگر شریعت نبوی میں اس کے متعلق مختلف مسائل و تکرار ہیں۔ اکثر علماء اس کی حرمت پر فتوے دیتے ہیں اور اکثر اس کی حلت پر قائل ہیں۔ اور بعض کے نزدیک مباح ہی ہے۔ بیسیوں حدیثیں اور روائتیں ایسی ہیں جو گانے اور اس کے سننے کی ممانعت میں ہیں۔ جن میں سے چند ایک بطور خلاصہ نقل کی جاتی ہیں۔

(۱) دو آوازیں ہیں جن پر دُنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے۔ ایک تو گانے کے وقت باجے کی آواز دوسرے مصیبت کے وقت رونے کی آواز۔

(۲) رسُول صلعم نے گانے اور گانا سُننے۔ غیبت کرنے اور غیبت سُننے۔ اور چغلی سُننے اور چغلی کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(۳) مسلمانوں جو مسلمان مرجائے اور اُس کے پاس گانے والی کنیز ہو۔ اُس کے جنازے کی نماز نہ پڑھنا۔ اسی طرح کئی حدیثیں اور روایتیں ایسی بھی ہیں جن سے گانے بجانے کی علانیہ ممانعت نہیں کی گئی۔ مثلاً حضرت عمرؓ ایک دفعہ چلے جاتے تھے رستے میں انھوں نے گانے کی آواز سُنی۔ فرمایا یہ کیا ہو رہا ہے۔ لوگوں نے کہا یہاں ختنہ کی تقریب ہے۔ یہ جواب سُنکر حضرت عمر خاموش ہو رہے۔ امام محمد غزالیؒ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں۔ کہ خوشی کے اوقات میں واگر وہ خوشی مُباح ہو۔ گانا خوشی بڑھانے اور دل بہلانے کے لئے مُباح ہے۔ سماع و مزامیر کا مسئلہ آج تک علمایان قوم حل نہیں کر سکے۔ کیونکہ اس میں مختلف رائیں ہیں۔

اہل تصوّف سرود و سماع کے کیوں عاشق ہیں؟	بعض اہل تصوّف جو گانا سنتے ہیں اس کی نسبت نہ کوئی آیت شریف نازل ہوئی ہے۔ نہ کوئی حدیث صحیح وارد ہوئی ہے۔

قدمار مجتہدین سے اس باب میں دو روایتیں ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس وقت صُوفیوں میں گانے کا رواج نہیں تھا اور متاخرین میں سے جن علمار نے صُوفیوں کے گانے کو ناجائز بتایا ہے وُہ درحقیقت سُننے والوں کے حال سے بے خبر ہیں۔ لیکن اگر کوئی غور کرے تو کسی شرعی دلیل سے اُس کا حرام اور مکروہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اسی بنا پر علمائے محققین نے اُس کے مُباح ہونے کا فتوےٰ دیا ہے۔ **شرح کافی** میں لکھا ہے کہ علمائے کے نزدیک گانا سُننا لہو و بازی کے طور پر اور اُس طور پر کہ فاسق لوگ جمع ہوں اور نماز اور قرآن پڑھنے سے باز رہیں حرام ہے۔ مگر جو لوگ کہ صالح ہیں اور قرآن اور نماز پڑھنے میں مشغول رہتے ہیں۔ ان کو گانا سننا حلال ہے اور اس پر تمام علمار کا اتفاق ہے۔ کیونکہ گانا سننے میں اُن کی توجہ خدا کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اور وُہ آخرت کی باتوں کو اس ذریعہ سے یاد کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ مقصد نہایت عمدہ ہے۔ اور اِس میں کوئی

بُرائی نہیں ہے۔ نیز اس مقصد کیلئے وجد کرنا اور جوش میں آکر ناچنا بھی جائز اور مُباح ہے۔

شرح یزدوی مُصنّفہ ابوالقاسم بن محمّد بن عبداللہ الدمشقی

میں بھی یہی مضمون لکھا ہے۔ اور کتاب امتاع میں لکھا ہے کہ گانا سننے سے رقت پیدا ہوتی ہے۔ اور دیدار الٰہی کا شوق حرکت میں آتا ہے۔ اور اُس کے غصّہ اور عذاب سے دل میں خوف پیدا ہوتا ہے۔ اور ان سب باتوں سے رفتہ رفتہ خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے اور جب گانا سُننے کا یہ مطلب ہو تو کون کہہ سکتا ہے کہ اس میں لہو و بازی کا دخل ہے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب **عوارف** میں فرماتے ہیں کہ گانا سُننے سے خدا کی رحمت اور برکت نازل ہوتی ہے غرض ؎

سرود چیست کہ چندیں خون عشق در دست
سرود محرم عشق ہست و عشق محرم اوست

آداب مجلس سماع

مکان سماع محفوظ خالی از اغیار اور قوال متشرع نمازی دیندار اور باوضو ہونے چاہئیں۔ یہاں تک کہ تمام مجلس میں ایک متنفس کو بھی بے وضو ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ حقہ وغیرہ سے قطعی پرہیز ہے۔ اور طالب کو لازم ہے کہ دیدہ دانستہ اپنی طرف سے کوئی حرکت محض شیخی اور دکھانے کے لئے نہ کرے۔

جاہلوں کو کیوں زیادہ وجد آتا ہے

حضرت شیخ سعدی تو فرماتے ہیں کہ بے علم نتواں خدا را شناخت مگر تعجب کی بات ہے کہ مجلس قوالیان میں جہاں صُوفیائے کرام اور اولیائے نامدار معرفت و وحدت اور حق شناسی کے موتی تلاش کرتے ہیں۔ عموماً جاہل اور اَن پڑھ لوگ زیادہ جاہلانہ وجد میں آتے ہیں۔ اور اُن پر ایک ایسے قسم کی حالت طاری ہوتی ہے کہ جس پر بجائے رونے اور حیرت کے ہنسی پیدا ہوتی ہے۔ صُوفیائے کرام کی نسبت اکثر کتابوں میں دیکھا گیا ہے کہ جب اُن کو حالت یا وجد طاری ہوتا ہے تو وہ رو دیا کرتے تھے۔ اور شوق الٰہی

ف ایک خیال یہ بھی ہے کہ شیخ صاحب ذوق سماع کے لذت چشیدہ نہ تھے۔

میں سر دُھنتے تھے۔ مگر یہ جاہل لوگ جن میں سے اکثر نوشاہیہ طریقہ کے پیرو ہیں۔ اور اکثر محفل دیکھا دیکھی ہی حال کھیلنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسی ایسی عجیب حرکات کرتے ہیں۔ کہ اُن کی عاقبت پر رونا آتا ہے۔ الا اللہ کے جھوٹے نعروں سے زمین آسمان تک ہلا دیتے ہیں۔ جس کو حالت کھیلنے کی زیادہ مشق ہوتی ہے اُس کے پاؤں میں رسا باندھ کر درخت سے اس طرح لٹکا دیتے ہیں کہ اس کی ٹانگیں اوپر اور سر نیچے ہو جاتا ہے اور نعرے مارتا اور زور سے کھیلتا ہے۔ فوق یہ حالت اور وجد دیکھ کر حیران ہوتے ہیں کہ جو لوگ پنج ارکان اسلام تو کجا کلمہ بھی ٹھیک نہیں پڑھ سکتے اور جن کو اشعار کا مطلب ہی کچھ میں نہیں آتا۔ اور جن کا شبانہ روز بدکاری وعیاشی اور دنیا پرستی میں بسر ہو رہا ہے وہ کس منہ سے اپنے آپ کو اہل اللہ اور صوفیائے کرام کی مجلسوں میں بیٹھنے کے قابل سمجھتے اور کیسی بے شرمی اور ڈھٹائی اور خود نمائی سے زبردستی اپنے آپ پر وجد کی حالت طاری کر لیتے ہیں۔ خدا ان کی حالت پر رحم کرے۔

گانا سُننے کی چند شرائط جو آدمی گانا سُننا چاہے اُس کو لازم ہے کہ پہلے اپنے نفس کا امتحان کرے۔ جیسا کہ حکم دیا گیا ہے کہ "اس سے پہلے کہ تم سے باز پرس کی جائے اپنے نفس سے باز پرس کیا کرو"۔ اگر معلوم ہو کہ نفس قابو میں ہے اور گانا سُننے سے جذبات نفس حرکت میں نہیں آئیں گے تو گانا سُننا جائز ہے۔ واضح رہے کہ گانا سُننے کے لئے چند شرطیں ہیں۔ جیسا کہ صاحب رسالہ حرمت واباحت سرود اور صاحب تحقیقات لکھتے ہیں۔ جن میں سے بعض ضروری اور بعض استحبابی ہیں اور اس موقع پر سات امور کی نسبت بحث کرنی لازم ہے جو تمام شرائط کا لب لباب ہیں (اوّل) گانے کا مضمون کیسا ہونا چاہیئے۔ (دوم) گانے والا کیسا ہو۔ (سوم) سُننے والا کیسا ہونا چاہیئے (چہارم) گانے سُننے کا وقت کونسا اختیار کرنا چاہیئے (پنجم) گانا سُننے کے لئے کونسی جگہ مناسب ہے (ششم) حاضرین مجلس کیسے ہوں (ہفتم) مزامیر۔

پہلی بات یعنی گانے کا مضمون کیسا ہونا چاہیئے۔ اس کی نسبت علمائے فقہ نے لکھا ہے کہ اشعار یا گیت جو گائے جائیں اُن میں نہ کوئی بات کفر ومعصیت کی ہو نہ کسی زندہ عورت یا مرد کے حسن وجمال کا ذکر ہو۔ اگر کسی ایسی حسین عورت کا ذکر ہو جو اب زندہ نہیں ہے۔ مثلاً لیلیٰ وشیریں وغیرہ یا کسی غیر معین محبوب کا ذکر ہو۔ تو اس راگ یا

شعر کے گانے اور سننے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ چنانچہ کتاب فتح القدیر میں لکھا ہے۔ کہ اگر اشعار میں کسی غیر معین عورت کے حسن وجمال کا ذکر ہو تو اُن کا گانا اور سُننا مُباح ہے۔ عرب کے مشہور شاعر کعب بن زبیر نے جو قصیدہ رسُول خدا (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حضور میں پڑھ کر سُنایا تھا اُس کی تمہید میں سعاد کا ذکر ہے جو ایک فرضی معشوقہ کا نام ہے۔ رسول خدا (صلے اللہ علیہ آلہ وسلم) نے اس قصیدہ کے پڑھنے سے کعب بن زبیر کو منع نہیں فرمایا۔

دُوسری بات یعنی گانے والا کیسا ہو۔ اُس کی نسبت علمائے فقہ نے لکھا ہے کہ وُہ بے نماز اور بدکار نہ ہو۔ اور اُس کا پیشہ گانا بجانا اور اس پیشے سے روزی کمانا نہ ہو۔ کتاب فتح القدیر میں لکھا ہے کہ تمام علمار کا اس بات پر اتفاق ہے کہ گانا اس غرض سے کہ اُس سے روپیہ حاصل کیا جائے حرام ہے۔ اور جو شخص گانے بجانے کو اپنا پیشہ بنائے اور اسی ذریعہ سے روزی کماتا ہو اُس کی شہادت مقبُول نہیں ہے۔

تیسری بات یعنی گانا سننے والا کیسا ہو۔ اس کی نسبت علمار لکھتے ہیں کہ جو شخص گانا سُننا چاہے وُہ ایسا شخص ہو جس کو اپنے نفس پر اختیار ہو کہ گانا سننے سے اُسکے نفسانی جذبات حرکت میں نہ آجائیں اور وُہ شہوت میں مُبتلا نہ ہو جائے۔

چوتھی بات یعنی گانا سننے کا وقت کونسا مقرر کرنا چاہیئے۔ اس کی نسبت علمار نے تحریر کیا ہے کہ گانا سننے کا وقت نماز اور وظیفہ پڑھنے کا وقت نہ ہو۔ اور نہ ایسا وقت ہو کہ دل کھانے اور امور دنیاوی کی طرف متوجہ ہو۔

پانچویں بات یعنی گانا سننے کے لئے کونسی جگہ مقرر کی جائے۔ اس کی نسبت علمار لکھتے ہیں۔ کہ گانا سُننے کے لئے ایسا مکان ہونا چاہیئے جس میں تنہائی کا موقع حاصل ہو۔ مسجد میں گانا ہرگز نہ سُننا چاہیئے کیونکہ مسجد میں شوروغل مچانا قطعاً حرام ہے۔ مکان کے متعلق یہ بھی ایک ہدایت ہے کہ وُہ برسر راہ اور تاریک نہ ہو۔ ہاں اگر کوئی خانقاہ ہی ایسی جگہ (برسرراہ) واقع ہو تو مجبُوری ہے۔ سماع کسی ظالم اور فاجرہ وفاسق کے مکان پر بھی نہ ہونا چاہیئے۔

چھٹی بات یعنی حاضرین مجلس کیسے ہوں۔ اس کی نسبت علمار تحریر کرتے ہیں کہ گانا سننے کی مجلس میں جن لوگوں کو شریک کیا جائے وُہ نہ تو بدکار ہوں اور نہ غیر محرم

ہوں۔ کیونکہ اگر سماع کی مجلس میں ایسے لوگ موجود ہونگے تو اُن کے پرتو صحبت سے صوفی کے دل کا آئینہ دُھندلا جائے گا اور روحانی تجلیاں اُس کے دل و دماغ پر نازل نہیں ہونگی۔ خداوند عالم خود فرماتا ہے کہ مسلمانوں نصیحت سُنانے اور کرنے کے بعد فاسق اور ظالم آدمیوں کے پاس بیٹھے نہ رہا کرو۔ مولانا روم نے اس مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے ؎

صحبتِ صالح ترا صالح کند　　　صحبتِ طالح ترا طالح کند

فاسقوں اور بدکاروں کی صحبت میں بیٹھنے سے قرآن و حدیث میں جابجا منع کیا گیا ہے۔ اہل سماع کو لازم ہے کہ مجلس سماع میں سر نیچے ڈال کر اور متوجہ بہ قلب ہو کر بیٹھیں اور ایک دُوسرے کی طرف نہ دیکھیں۔ اور تکلف اور بناوٹ سے کوئی حرکت نہ کریں۔ کہ ان کی سخت ممانعت ہے ۔

ساتویں بات یعنی مزامیر کا استعمال جائز ہے یا نہیں۔ اس کی نسبت علماء فرماتے ہیں کہ اگر مزامیر سے خدا کی محبت اور اُس کے دیدار کا شوق حرکت میں آتا ہو تو اُنکے استعمال کو حرام نہیں کہہ سکتے۔ خیال کرنا چاہیئے کہ جب نکاح کا اعلان کرنے۔ قافلہ کو خبردار کرنے غازیوں کو مستعد اور ہوشیار کرنے کے لئے دف اور نقارہ کا استعمال جائز ہے بلکہ عین عبادت ہے تو مزامیر کا استعمال اس غرض سے کہ اُن سے دیدار آلہی کا شوق اور ولولہ پیدا ہو۔ اور بھی بہتر ہو گا مولانا روم فرماتے ہیں ؎

ہمچو نے زہرے و تریاقے کہ دید !
ہمچو نے دمساز و مشتاقے کہ دید !

یعنی نَے فاسقوں کے حق میں زہر ہے اور صادقوں کے حق میں تریاق ہے۔

مگر حضرات نقشبندیہ نے جب دیکھا کہ رسول خدا (صلے اللہ علیہ آلہٖ وسلم) اور صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین، کے زمانہ میں جو خیر القرون کہاتا ہے۔ دیدار آلہی کے شوق اور ولولہ کو اُکسانے اور حرکت میں لانے کے لئے گانا سننے کا شغل اختیار نہیں کیا گیا تو انہوں نے اس اصول پر عمل کیا کہ ہر ایک بدعت حرام ہے۔ وُہ بدعت سیئہ کی طرح بدعت حسنہ سے بھی گریز کرتے ہیں اور اسی لئے مجلس سماع کو قایم نہیں کرتے نہ اُس میں شریک ہوتے ہیں تاہم سماع کو مباح بلکہ مستحب

ضرور جانتے ہیں۔ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندیہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ "نہ ایں کار میکنم نہ آن کار میکنم" یعنی نہ تو میں یہ کام کرتا ہوں نہ اس کو برا جانتا ہوں۔ نقشبندیوں نے وُہ کام قرآن اور نماز اور ذکر و فکر سے لیا ہے جو اوروں نے گانے اور بجانے سے لیا ہے +

مجلس سماع میں وجد کے لئے آیات قرآنی کیوں نہیں پڑھی جاتیں

بعض لوگ اصرار کرتے ہیں کہ جب مجلس سماع میں شوق آلہی کے لئے ہی سماع ہوتا ہے تو بجائے اس کے کہ وہاں غزلیات وغیرہ پڑھی جائیں۔ آیات قرآنی قوالوں سے کیوں نہیں سُنی جاتیں کیونکہ کلام آلہی سے ہی شوق آلہی زیادہ ہو گا۔ بات تو معقول ہے۔ اور جیسا کہ کتاب احیاء العلوم میں امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ اکثر دفعہ ایسا ہوا ہے کہ جب آیات قرآنی نہایت خوش الحانی سے ادا کی گئیں۔ تو اکثر اہل اللہ بزرگوں کو حالت اور وجد طاری ہو گیا۔ بلکہ کئی ایک نے غلبۂ جوش سے مجبور ہو کر جان بھی جاں آفرین کے سپرد کر دی۔ مگر عوام اور نیز عاشقان آلہی کے نزدیک قرآن شریف کی تمام آیات اس قسم کی نہیں ہیں کہ وُہ ہر حالت میں عاشقوں پر صادق آسکیں۔ قرآن شریف میں زیادہ تر معاملات دینی و دُنیاوی اور امر و نہی وغیرہ کے حالات مندرج ہیں۔ مثلاً جب قاری یہ آیات پڑھے کہ فلاں رشتہ دار کو یہ حصّہ پہنچتا ہے۔ یا جس عورت کا خاوند مرجائے تو وُہ چار ماہ اور دس یوم تک عدت میں رہے۔ ایسی ایسی آیات سے آتش عشق کو کیا تعلق! نیز مجلس قوالان میں طبلہ و سارنگی وغیرہ سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ قرآن شریف کو ایسے لوازمات کے ساتھ ادا کرنا خلاف ادب ہے مجلس میں بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ طالب کسی خاص غزل یا کسی خاص شعر کے لئے قوالوں کو فرمائش کرتا ہے۔ جس کے مطابق قوالوں کو پہلی غزل کی جگہ دُوسری غزل گانی پڑتی ہے۔ اور اگر یہ قرآن شریف کا سماع ہو تو کسی کی مجال ہے کہ چون و چرا بھی کر سکے۔ مجلس سماع میں طالب جب وجد میں آتا ہے تو عالم بے اختیاری میں کپڑے پھاڑتا اور رقص کرتا اور نعرے مارتا ہے جو سماع قرآنی میں نامناسب ہے +

حالت سماع میں صبر و استقلال کی بڑی ضرورت ہے۔

افسوس ہے کہ سماع کی مجلسیں آجکل دل بہلاؤ اور لہو و لعب میں شمار ہو رہی ہیں بحالیکہ بزرگان سلف اور

صُوفیائے کرام انہیں مجلسوں کے ذریعے دردِ دل کا اظہار کیا کرتے تھے۔ جاہل لوگ جھوٹی کیفیتیں اور مصنوعی حالت پیدا کر کے نہ صرف اپنی عاقبت ہی خراب کرتے ہیں بلکہ اُن کی اُن لغو حرکات سے اسلام بھی بدنام ہوتا ہے۔ آجکل ایسی مجلسیں غالباً دس فیصدی بھی بمشکل نکلیں گی۔ جن میں گانا سُننے کی ان چند شرائط پر عمل کیا جاتا ہو جنا لیکن جب تک مجلس میں پاک نفوس اور پاک خیالات نہ ہوں سماع اور مجلس ہی جائز نہیں۔ صُوفیائے کرام کے خیال میں کامل ترین وہ شخص ہے جو سماع سُنے اور ساکن رہے اور صبر اور استقلال کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ یعنی ظاہر میں کچھ تردد اور ضعف پیدا نہ ہو۔

اجمیر شریف میں ایک تازہ غم انگیز واقعہ

میں مندرجہ بالا سطور لکھ رہا تھا کہ ۱۴ر ستمبر ۱۹۰۳ء کا اخبار العزیز آگرہ میرے پاس پہنچا جس میں ایک مضمون نظر سے گذرا جو حُسنِ ازل کے ایک مقناطیسی جادُو کا ادنےٰ کرشمہ اور صُوفیائے کرام کی حالت وجد کا ایک اصلی نمونہ تھا۔ اس واقعہ کی کیفیت یہ ہے کہ خان بہادر شمسُ العلماء حاجی حافظ شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی جو بغرض شرکت عرُس حضرت خواجہ غریب نواز اجمیر میں تشریف لیگئے تھے۔ جب محفل میں عین حالت مشاہدہ پر پہنچے۔ اور جب اس شعر سے

گفت قدوسی۔ فقیرے در فنا و در بقا

خود بخود آزاد گردی خود گرفتار آمدی

کے سننے سے آپ پر خاص کیفیت کا عالم طاری ہو گیا۔ تو آپ وہاں ۱۹ر ستمبر کو دوشنبہ کے دن، جنت الفردوس کو تشریف لے گئے۔

ڈاکٹروں نے مرض سکتہ کے دھوکے میں صاحب موصوف کی فصد بھی لی لیکن سوائے خون نکلنے کے کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ یہ کیفیت اگرچہ دور از قیاس ہے۔ مگر ہمارے خیال میں وُہ اہل الرائے سوختہ دل جنہوں نے عشق کے بھڑکنے والی آگ کے شعلوں سے اپنے دل کو جلنے اور حسن کی سحر آفرینیوں سے والہ و شیفتہ ہو کر سر بصحرا نکل کھڑے ہونے اور گلی گلی تنکے چننے اور جنگل کی خاک چھاننے کا تجربہ حاصل کیا ہے۔ زیادہ متحیر نہ ہونگے۔ کیونکہ عشق و حسن کا مقناطیسی اثر کچھ ایسا ہی دل بے چین کر دینے والا ہوتا ہے۔ یہ دُوسری بات ہے کہ حسن کو ایک نوجوان کا مچلا ہوا دل کسی کے رخسار تابان سے منسوب کرتا ہے۔ اُس کو ایک صاف طینت صُوفی حسن ازل یا کرشمہ قدرت

یا تجلیات باری سے منسوب کرتا ہے۔ ورنہ فی الواقع دونوں چوٹ کھائے ہوئے دلوں میں صرف ایک حسن ہی کے جذبات وکشش کا اثر ہوتا ہے۔ بلکہ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو عالم ناسوت کی مجسم حسن کی تصویریں ہی ایسی شے ہیں جو صانع حقیقی کے کرشموں کی مظہر ہیں۔ پس جب عشق مجازی کے کرشمے حیرت انگیز ہیں تو حقیقت کا پوچھنا ہی کیا ہے۔ فی الواقع حاجی صاحب مرحوم ایک عالم متجر اور صوفی صاف طبینت تھے۔ آپ کی ذات فخر روزگار رہے تھی۔ آپ نے ۱۱ حج کئے تھے۔ اور بڑے باخبر شخص تھے۔ دعا ہے کہ پروردگار عالم سب کو اپنی محبت عنایت فرماوے۔ اور مرحوم کو غریق رحمت کرے۔

سماع تین قسم کا ہوتا ہے

جاننا چاہیئے کہ جس طرح لوہے کو اگر پتھر پر مارا جائے تو اُس سے ایک شرارہ نکلتا ہے۔ جو بالکل نامعلوم جگہ میں ہے۔ اسی طرح جناب آلہی کے عشق کی ایک کیفیت ہر دردمند انسان کے دل میں پوشیدہ ہے جسکی بابت خود دردمند کو بھی معلوم نہیں کہ وُہ کہاں ہے۔ البتہ یہ آتشِ عشق سرود و سماع کی ہوا سے تیز معلوم ہوتی اور بھڑکتی ہے۔ سماع اُس چیز کی افزونی اور ترقی کا باعث ہے۔ جو انسان کے دل میں ایک راز کی طرح بند ہے۔ پس اگر کسی کے دل میں محبت آلہی موجزن ہے تو سماع اُس کو اور بھی جنبش دیگا۔ اور اگر آتش عشق باطل ہے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ سماع اُس کے حق میں زہر قاتل ہے۔ اگر کسی کے دل میں محبت حق و باطل میں سے کوئی ایک بھی نہ ہو تو پھر بھی سماع حلال نہ سمجھنا چاہیئے۔ البتہ مُباح ضرور ہے۔ مندرجہ بالا سطور سے سماع تین قسموں پر منقسم ہوا۔ یعنی اوّل وُہ جو غفلت یا لہو و لعب کے خیال سے سُنا جائے جو مُباح ہے۔ دوسرے وُہ کہ دل انسان میں صفت مذموم ہو یعنی اُس کی محبت خواہش نفسانی کے تابع ہو ایسا سماع حرام مطلق ہے۔ تیسرے وُہ کہ دل میں کوئی صفت محمود مثلاً شوق زیارت کعبہ یا توبہ یا محبت آلہی ہو۔ جو حلال ہے اور اسی کا نام اصلی سماع ہے۔

سماع کن وجوہات سے حرام ہے؟

سماع کے حرام ہونے کے چار اسباب ہیں۔ جن سے پرہیز کرنا واجب ہے۔

(۱) عورت سے سماع سُننا حرام ہے۔ خواہ وُہ عورت خوبرو ہو یا زشت رُو

البتہ بس پردہ مباح بیان کیا جاتا ہے۔ بشرطیکہ محل فتنہ نہ ہو۔

(۲) مزامیر سے سماع سننا حرام ہے۔ کیونکہ یہ شراب خوروں کی عادت ہے۔ البتہ چنگ و رباب و بربط سے جائز ہے۔

(۳) جس سماع میں الفاظ فحش سے کام لیا گیا ہو۔ اور جس میں نفسانی خواہش کا بیان یا اشارہ ہو وہ بھی حرام ہے۔

(۴) سماع کی عادت اور عشرت حاصل کرنے کے لئے سننا بھی ناجائز ہے۔ گو مباح ضرور ہے۔

حضرت محبوب الٰہی اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور دیگر اولیائے کرام کی مجلسیں

(۱) شیخ جلال الدین تبریزی جو سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں والیے کامل ہو گذرے ہیں۔ خواجہ قطب الدین صاحب سے ملنے کے لئے دہلی تشریف لائے۔ مجلس سماع گرم تھی۔ اس ؎

در میکدۂ وحشت ہشیار نمی گنجد
در عالم نیرنگی جز یار نمی گنجد

(۲) قاضی حمید الدین ناگوری کے مکان پر مجلس سماع تھی۔ اور خواجہ قطب الدین صاحب بھی وہاں موجود تھے۔ دیر تک محویت کا عالم طاری رہا۔

(۳) شیخ فرید الدین بابا گنج شکر سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت خواجہ قطب الدین کے پاس قاضی حمید الدین صاحب ناگوری بھی بیٹھے تھے۔ اتنے میں قوال آئے اور ایک غزل گانی شروع کی۔ خواجہ صاحب دیر تک وجد میں آکر اچھلتے رہے اور ہوا میں ساکن ہو گئے۔

(۴) بہاؤ الدین صاحب ذکریا ملتانی نے اپنی خانقاہ میں ایک دن خواجہ بختیار کاکی علیہ رحمت کی دعوت کی۔ جب سماع کا شور و غل بلند ہوا تو ملتانی عالموں نے جمع ہو کر شیخ صاحب سے عرض کی کہ مسجدوں اور خانقاہوں میں خلاف شرع سماع کیوں ہو رہا ہے۔ حضرت ذکریا صاحب ملتانی نے فرمایا کہ خواجہ صاحب کو تم لوگ ہی جا کر سمجھاؤ۔ میری طاقت نہیں ہے۔ جب تمام علماء ان کے پاس گئے تو وہ بھی خواجہ صاحب کی طرح رقص و وجد میں مشغول ہو گئے۔

(۵) حضرت محبوب آلٰہی خواجہ نظام الدینؒ شیخ بدر الدین غزنوی کے مکان پر سماع سننے کو تشریف لیگئے۔ جب وجد ہوُا تو آپ نے دستار اور کرتہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

(۶) خواجہ بختیارؒ کاکی کی رحلت کا واقعہ بھی صوُفیائے کرام کیلئے موجب استعجاب ہے۔ آپ شیخ علی سنجری کی خانقاہ میں سماع سُن رہے تھے جب یہ شعر پڑھا گیا ؎

کُشتگانِ خنجرِ تسلیم را | ہر زماں از غیب جانے دیگر است

تو آپ پر حالت طاری ہو گئی۔ چار رات اور چار دن آپ متواتر اسی شعر کو سُنتے رہے۔ اور آخر پانچویں دن انتقال فرمایا۔

سماع صوُفیائے نامدار کی نظر میں

حضرت ایشاں سے جو بعہد شاہ جہانگیر لاہور میں کامل صوُفی ہو گذرے ہیں۔ ایک مجلس میں پوُچھا گیا کہ مسئلہ سماع کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ آپ نے فرمایا "ما نہ ایں کار میکنم و نہ انکار میکنم" یعنی جو شخص سماع کے قابل ہے اُس پر حلال اور دُوسرے کو حرام ہے۔ سماع کے قابل وُہ شخص ہے جو فنافی الذات آلٰہی ہو۔ حضرت محبوب آلٰہی سے ایک شخص نے عرض کیا کہ شیخ شہاب الدین سہروردی نے کبھی سماع نہیں سُنا۔ اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ آپ نے فرمایا شیخ نجم الدین کبریٰ فرمایا کرتے تھے۔ خدا نے شیخ شہاب الدین کو دونوں جہان کی ہر نعمت سے ممتاز فرمایا۔ مگر سوائے ذوق و سماع کے۔ آپ نے ایک مجلس میں فرمایا کہ جو لوگ صاحب دل اور صاحب ذوق ہیں اور جن کے دل میں کچھ بھی درد ہے اُنکو تڑپا دینے کیلئے کام کا ایک ہی شعر کافی ہے۔

حضرت محبوب آلٰہی سے روایت ہے کہ خواجہ فریدالدین نے مجھے ایک دن بحالت وجد فرمایا کہ نظام الدین مانگو جو مانگتے ہو ؎

مانگ جو کچھ مانگنا ہے آج اے حسنِ طلب | خود وُہ کہتے ہیں بتا کس چیز کا خواہاں ہے تو (امیر)

حضرت محبوب آلٰہی فرماتے ہیں میں نے دین و عقبیٰ اور خدا طلبی کی درخواست کی جو مرشد کی برکت سے حاصل ہوئی مگر ایک امر کا افسوس ہمیشہ رہیگا کہ حالت سماع میں اپنے انتقال کی خواہش کیوں نہ کی۔

الغرض راگ اور سماع صوفیائے کرام کیلئے ایک لازمی امر ہے بشرطیکہ اسکے قواعد کی پابندی کیجائے۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے کس خوبی سے صوفیائے کرام اور عام دردمند لوگوں کا عقیدہ (۱) شعر میں بیان کیا ہے ؎

لوگ کہتے ہیں مجھے راگ کو چھوڑو اقبال | راگ ہے دین میرا راگ ہے ایمان میرا

لاہور کی گذشتہ اور موجودہ حالت

لاہور کا بانی راجہ رامچندر جی کا بیٹا راجہ لو بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن بعض یورپین مورخوں کے خیال میں اس کی طرح قدیم راجپوتوں نے حضرت مسیح سے سو دو سو سال بعد ڈالی تھی۔ وُہ اس اختلاف کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جب یونانیوں نے پنجاب پر حملہ کیا ہے تو لاہور کا کہیں ذکر تک نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لاہور اُن کے حملہ کے بعد تعمیر ہُوا ہے۔

دسویں صدی کے اختتام پر لاہور میں راجہ جیپال کی حکومت تھی جس کو پہلے ۹۸۸ء میں سُبکتگین اور اُس کے بعد اُس کے بیٹے محمود غزنوی نے ۱۰۰۱ء اور ۱۰۰۸ء میں جیپال کے بیٹے راجہ انند پال کو شکست دی آخر ۱۰۳۶ء میں غزنوی خاندان نے لاہور کو اپنی سلطنت کا دارالخلافہ قرار دیا۔ ۱۰۴۲ء سے ۱۵۲۴ء تک شاہان غوری۔ خاندان غلامان منگولین۔ گکھڑوں۔ تیموری حملوں اور لودھیوں کے زیر حکومت رہا۔

۱۵۵۴ء میں جب ہمایوں ہندوستان کا بادشاہ ہُوا۔ تو تاریخ لاہور کے سیاہ حروف سُنہری رنگ میں رنگے جانے لگے۔ رونق و زیبائش اپنا جوبن دکھانے لگی۔ اکبر نے گو آگرہ کو دارالخلافہ قرار دیکر اکبرآباد بنا دیا۔ لیکن ۱۵۸۴ء سے ۱۵۹۸ء تک وُہ بھی لاہور ہی میں رہا۔ اکبر نے قلعہ کو فراخ کیا۔ اور تمام شہر کے گرد ایک مضبُوط اور بلند فصیل بنوائی۔ جو ۱۸۹۲ء تک برابر قایم رہی۔ جہانگیر تو لاہور کا عاشق تھا۔ یہاں تک کہ ۱۶۲۷ء میں مر کر بھی لاہور ہی کی نواح (شاہدرہ) میں دفن ہُوا۔ انار کلی کا مقبرہ۔ قلعہ کے اندر موتی مسجد اور خوابگاہ یہ سب عہد جہانگیری کی عمارتیں ہیں۔ شاہجہان نے لاہور کو اور بھی رونق دی۔ اُسے عمارتوں کا خاص شوق تھا۔ قلعہ میں خوابگاہ کے بائیں طرف جس قدر عمارتیں ہیں۔ شمن برج۔ شیش محل۔ نولکھا وغیرہ سب اُسی کی بنا کردہ ہیں

لاہور کو نواب علی مردان خان جن کا مقبرہ گلابی باغ کے سامنے ہے۔ اور حکیم علیم الدین المعروف نواب وزیر خان بانئے مسجد وزیر خان کے زمانے میں بھی بڑی رونق نصیب تھی۔ چوبرجی۔ شالامار باغ۔ مسجد دائی انگہ اور مسجد وزیر خان جیسی عالیشان اور بیش قیمت عمارتیں اُسی زمانے ۱۶۲۳ء سے ۱۶۳۷ء تک کی یادگار ہیں) اورنگ زیب نے بھی شاہی مسجد کو تعمیر کر کے لاہور کی زیبائش میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ اورنگ زیب کے بعد سلطنت مغلیہ کا آفتاب گہن میں آجاتا ہے۔ عمارتوں کا کیا ذکر باہمی خانہ جنگیوں اور ملکی شورشوں سے سلطنت کے لالے پڑجاتے ہیں۔ نادرشاہ اور احمد شاہ کے حملے سلطنت کو تہ و بالا کر کے ملک کی دولت بھی لے جاتے ہیں۔ آخر لاہور پر ایک زمانہ ایسا آتا ہے۔ کہ تین حاکموں کے ماتحت ہو جاتا ہے۔ اور بڑے دروازے کی کنجی مہر سنگان ساکن نواں کوٹ کے پاس آتی ہے اس زمانہ کو سہ حاکمان لاہور کا زمانہ کہتے ہیں۔

۱۸۰۱ء میں جبکہ رنجیت سنگھ احمد شاہ درانی کی خوشنودیٔ مزاج حاصل کرنے کے بعد لاہور کا باقاعدہ فرمان روا تسلیم کیا جاتا ہے۔ تو غازۂ لاہور پر پھر کچھ رونق آنی شروع ہوتی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے شاہانِ سلف کی عمارات کے ساتھ وہ سلوک نہ کیا۔ جو بادشاہوں کے لائق تھا۔ ایک مسلمان بادشاہ اُس کی خدمات سے خوش ہو کر معمولی انعام نہیں بلکہ اُس کو لاہور کی حکومت سپرد کرتا ہے۔ اور رنجیت سنگھ اُسی مسلمان بادشاہ کے ہم مذہب سلاطین کے آثار قدیمہ کو بیخ و بُن سے اُکھاڑنے کے درپے ہو جاتا ہے۔ رنجیت سنگھ نے تمام عمارتوں سے قیمتی پتھر اُتروا کر اُن کو خاک میں ملا دیا۔ البتہ دربار صاحب امرتسر کو خوب رونق دی۔ اور لاہور میں صرف ایک بارہ دری اپنی یادگار چھوڑی۔ جو حضوری باغ میں شاہی مسجد کے سامنے ہے۔ لاہور میں رنجیت سنگھ کے مرنے کے بعد ۱۸۳۹ء میں پھر بے اطمینانی اور طوائف الملوکی شروع ہو جاتی ہے۔ کھڑک سنگھ۔ نونہال سنگھ اور شیر سنگھ

پانچ سال کے اندر یکے بعد دیگرے رخصت ہو کر تخت لاہور دلیپ سنگھ کے لئے خالی کرتے ہیں۔ لیکن اُس کی صغر سنی کی وجہ سے فوج خالصہ اور رانی جنداں طوفان بے تمیزی پیدا کر کے سرکار انگریزی سے برسر پرخاش ہوتے ہیں۔ آخر ۲۹ مارچ ۱۸۴۹ء کو بدنصیب دلیپ سنگھ قلعہ کے شیش محل میں تخت سے اُتارا جاتا ہے۔ اور حکومت سرکار انگریزی کے ہاتھ میں آتی ہے۔

شاہانِ مغلیہ کے زمانے میں لاہور دُور دُور تک آباد تھا۔ اس کی وسعت پانچ چھ میل تک مشرق اور جنوب کی طرف پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے ۳۶ محلے بڑے مشہور تھے۔ جن میں سے ۲۲ محلے نہایت آباد۔ بارونق اور مالدار تھے۔ اُن میں سے صرف ۱۲ کے نام لکھے جاتے ہیں۔ محلہ گذر لنگر خاں۔ محلہ مزنگ (جو بجائے محلے کے اب قصبہ ہے) محلہ موج دریا محلہ شاہ چراغ (نزد چیف کورٹ) محلہ لکھی۔ محلہ سیانی (مزنگ سے بھی پرے) محلہ دائی لاڈو۔ محلہ زین خان۔ محلہ دائی انگہ (ریلوے سٹیشن سے بھی پرے) محلہ تیل پورہ۔ محلہ قصابان۔ محلہ مغل پورہ۔ چوک درارا (متصل شہید گنج لنڈا بازار) اب لاہور کے اکثر پُرانے محلوں پر زراعت اور کھیتی باڑی کا کام ہوتا ہے۔ اور کسی کو اس بات کا خیال بھی نہیں گذرتا کہ یہاں عالی شان مکانات بھی کبھی موجود تھے۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانے میں شہر کے اندرونی حصے کے سوا باقی تمام محلے ویران اور برباد تھے۔ زمین کھود کھود کر اُن کی اینٹیں فروخت ہونی شروع ہوئیں اور یہ سلسلہ چالیس سال تک قایم رہا۔ اب سرکار برطانیہ کے زمانہ میں اس کی رونق اور شان و شوکت سلاطین مغلیہ کے زمانے سے بھی ہزار چند زیادہ ہو رہی ہے۔ فصیل شہر گرا کر وہاں اب باغات لگوائے گئے ہیں جس سے نہ صرف آب و ہوا ہی عمدہ اور صحت بخش ہو گئی ہے۔ بلکہ شہر کی خوبصورتی بھی دوبالا ہو گئی ہے۔ ۱۹۰۹ء میں نوان باغات میں بھی قابل دید اصلاح ہوئی ہے۔ اور سڑکیں اور روشیں نہایت خوبصورت بنائی گئی ہیں۔

جنوب اور مشرق کی طرف آبادی وسعت اور سرعت سے بڑھ رہی ہے۔ عالی شان عمارتیں اور سر بفلک مکانات تیار ہو رہے ہیں۔ سڑکوں کی صفائی اور بجلی کی روشنی اور بوٹوں کی تراش خراش دیکھنے کے قابل ہے شہر کے اندر بھی بڑے بڑے گذرگاہوں۔ مثلاً چوک وزیرخاں۔ کوتوالی۔ سنگے منڈی وغیرہ میں بجلی کی روشنی کا انتظام کیا گیا ہے۔ شہر کے تیرہ دروازے ابتدا سے چلے آتے ہیں۔ جن میں سے چند نئی طرز پر بنائے گئے ہیں بعض بالکل گرا دیئے گئے ہیں۔ اور چار دروازے یعنی شاہ عالمی۔ دہاری۔ موری اور روشنائی سابقہ طور پر ہی موجود ہیں۔

رنجیت سنگھ کے زمانے تک یہاں صرف تین بڑی قومیں آباد تھیں ہندو۔ مسلمان اور سکھ۔ لیکن اب عیسائی بھی ہیں۔ اور سول سٹیشن کیطرف قریباً تمام یورپین ہی ہیں۔

۱۹۰۱ء میں لاہور اور اس کے بیرونی حصوں کی آبادی ۲۰۰ ۱۶۱ آدمیوں کی تھی۔

محمد الدین فوق

۷۸۶

شاہ ابوالمعالی

نام آپ کا خیرالدین اور سلسلہ قادریہ تھا۔ شعر شاعری کا بھی شوق تھا۔ غربتی تخلص فرمایا کرتے تھے۔ داراشکوہ برادر شاہنشاہ اورنگ زیب نے آفتاب [سفی]نۃ الاولیا میں آپ کی ولادت کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت شاہ خیرالدین ابوالمعالی بتاریخ دہم ماہ ذی الحجہ بروز عید الضحیٰ روز دوشنبہ سنہ ۹۶۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپ کرمان کے سادات میں سے تھے۔ والد کا نام سید رحمت اللہ بن میر سید فتح اللہ شاہ تھا۔ تخلص آپ کا کتاب تحقیقات چشتی سے معلوم ہوا مگر کوئی شعر اردو۔ فارسی یا عربی دستیاب نہیں ہوسکا۔ آپ کا مزار پُرانوار موچی دروازہ کے باہر ہے۔ مزار کے اردگرد ایک عالی شان مسجد ہے جس کو حضرت نے اپنی زندگی ہی میں بنوایا تھا۔ مسجد کے مشرق میں ایک کنواں ہے وہ بھی آپ کی زندگی ہی میں تعمیر کیا گیا تھا۔ گرد نواح مقبرہ کے اس قدر اُمراء اور عام لوگوں کی قبریں ہیں کہ اس احاطہ کو اگر مخزن القبور کہا جائے تو نامناسب نہ ہوگا۔ حضرت کی زوجہ اور بعض رشتہ داروں کی قبریں بھی اسی احاطہ میں ہیں۔ لاہور میں سب سے زیادہ اسی مقبرہ میں کبوتر رہتے ہیں۔ چنانچہ اب بھی ہزاروں کبوتر ہونگے سب سے پہلے آپ کے صاحبزادہ کلاں شاہ محمد درویش المشہور بہ برقعہ پوش نے یہاں کبوتر رکھے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ رواج ہوتا گیا۔ آپ کے مزار پر سال میں چار میلے بھی مفصل ذیل تاریخوں پر منعقد ہوتے ہیں:۔

(۱) میلہ عرس کا جو ۷ ربیع الاوّل کو منعقد ہوتا ہے۔

(۲) عید الفطر۔

(۳) عید الضحےٰ۔

(۴) شب برات۔

ان تمام میلوں میں خلقت اس کثرت سے ہوتی ہے کہ جس کا کچھ حد و حساب ہی نہیں ہر قسم کی دوکانیں اور ہر قسم کا سودا اور تفریحی سامان نہایت افراط سے مہیا ہوتے ہیں۔ قوالی اور محفل رقص و سرود بھی اپنا رنگ جماتی ہے۔ آپ کی عمر ۸۵ سال کی تھی کہ ۱۰۲۵ء ہجری میں بعہد شہنشاہ جہانگیر اکبر کی وفات کے گیارہ سال کے بعد انتقال فرمایا۔ کرامات آپ کی صدہا مشہور ہیں جن میں سے صاحب تذکرۃ العارفین نے بھی کثر درج کی ہیں مگر یہاں بخوف طوالت صرف ایک کرامت پر ہی اکتفا کی جاتی ہے۔ حضرت مُلّا شاہ کے دل میں جو دارا شکوہ کے مرشد تھے ایک دن خیال گذرا کہ میں دل و جان سے حضرت غوث الاعظم کا معتقد ہوں حضرت پیران دستگیر کو بھی میرے اس اعتقاد سے خبر ہے کہ نہیں۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک لق و دق میدان میں میں اکیلا کھڑا ہوں۔ اتنے میں حضرت پیران پیر تشریف لائے۔ ایک دستار سفید عنایت فرما کر کہا کہ اے ملا شاہ ہم تمہارے حال سے بے خبر نہیں ہیں۔ اور اس کے ثبوت میں تمہارا سر برہنہ دیکھ کر یہ دستار تم کو عنایت کرتے ہیں حضرت ملا شاہ فرماتے ہیں کہ جب میں صبح کے وقت خواب سے بیدار ہو کر گھر سے باہر نکلا تو حضرت شاہ ابو المعالی کا ایک خادم میرے بلانے کے لئے آ رہا تھا۔ جب میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے ایک دستار سفید مجھ کو عنایت فرمائی۔ اور کہا کہ یہ دستار رات کو حضرت غوث الاعظم نے تم کو بخشی تھی۔ وارث حضرت کے دو ہیں ایک نواسے اور ایک پوتے۔ کچھ اولاد آپ کی پنڈ دادنخان اور پشاور کی طرف بھی ہے۔ مزار کی آمدنی دونوں حصہ داروں میں تقسیم ہو جاتی ہے مزار کے مجاوروں کو آمدنی سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں بعض لوگ اللہ فی اللہ کچھ دے جاتے ہیں ٭

شاہ چراغ

آپ کے عُرس کا میلہ بھی لاہور میں نہایت دھوم دھام سے ہوتا ہے آپکا اصل نام عبدالرزاق بن سید عبدالوہاب بن سید عبدالقادر ثالث گیلانی ہے۔ شاہ چراغ کا نام مشہور ہونے کی وجہ زیادہ تر یہ بیان کی جاتی ہے۔ کہ جب آپ پیدا ہُوئے تو آپ کے دادا سید عبدالقادر ثالث نے فرمایا کہ یہ لڑکا ہمارے خاندان کا چراغ ہوگا۔ آپ بڑے کامل بزرگ اور صاحب باطن فقیر گذرے ہیں۔ شاہجہان بادشاہ آپ کا نہایت ہی معتقد تھا۔ اور ایک روایت ہے کہ وُہ حضرت کے کسی فرزند کے ساتھ اپنی کسی دختر کا نکاح بھی کرنا چاہتا تھا۔ مگر حضرت نے نامنظور فرمایا۔ حضرت موج دریا بخاری رشتہ میں آپ کے پھوپھا تھے۔ آپ کی وفات کی تاریخ کا حال دو مورخوں نے لکھا ہے مگر دونوں میں اختلاف ہے۔ مفتی غلام سرور صاحب تذکرۃ العارفین میں لکھتے ہیں کہ ۱۷ ربیع الاول سنہ ۱۰۹۲ ہجری کو آپ کی وفات ہوئی اور مولوی نور احمد صاحب تحقیقات چشتی میں تاریخ وفات ۲۲ ذیقعد روز جمعہ سنہ ۱۰۶۸ ہجری ارقام فرماتے ہیں۔ تاریخ وفات میں اگر ایک دو سال کا فرق ہوتا تو ایک معمولی مغالطہ تھا۔ مگر تاریخ وفات میں چوبیس سال کا فرق بہت بڑا فرق ہے جس سے کوئی مطمئن نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ آپ کا مزار شاہ عالمگیر کے حکم سے بنایا گیا تھا۔ اس مقبرہ کے اندر آٹھ قبریں ہیں۔ جن میں ایک تو خود حضرت کی اور دوسری اُن کے صاحبزادے زین العابدین کی۔ اور باقی بھی تمام رشتہ داروں کی ہیں گو آج کل یہ مقبرہ شہر لاہور بلکہ انار کلی سے فاصلہ پر چیف کورٹ اور دفتر اکونٹنٹ جنرل کے پاس ہے۔ مگر جن دنوں کہ لاہور آباد تھا۔ اس آبادی کا نام جہاں اب یہ مزار ہے محلہ لنگر خاں[1] تھا۔

مقبرہ کے مغرب کی طرف ایک مسجد بھی ہے جس کو نواب خان بہادر نے اپنی

---

[1] لنگر خان عملداری مغلیہ کے زمانہ میں اُمرائے شاہی میں سے ایک بہت بڑا مشہور شخص گذرا ہے۔

والد کی قبر کی وجہ سے بنوایا تھا۔ یہ مسجد اب دفتر میں شامل ہو گئی ہے۔ مسجد کے غرب رو بہ ایک چبوترہ پر ایک بوسیدہ سی چار دیواری ہے۔ جس پر حضرت شاہ چراغ کے مرید کا مزار ہے۔

موج دریا

نام آپ کا میراں محمد شاہ اور عرف عام میں آپ کو موج دریا بخاری کہتے ہیں۔ مزار آپ کا انار کلی کی طرف حضرت شاہ چراغ کے مزار کے قریب ہی ہے۔ آپ بھی سید جلال الدین المشہور میر سرخ کی اولاد سے ہیں۔ آپ کا وطن اور مولد اوچ شریف ہے جو ریاست بہاولپور میں واقعہ ہے۔ لاہور میں آپ کی تشریف آوری کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب شاہنشاہ اکبر کو جو اولیائے کرام اور فقرائے عظام کا دلی معتقد تھا۔ مہم قلعہ چتوڑ درپیش ہوئی۔ اور باوجود ہزار کوشش کے بھی قلعہ سر نہ ہو سکا تو نجومیوں کو بلوایا اور اُن سے دریافت کیا کہ اس قلعہ کی فتح کس شخص کے نام ہے۔ نجومیوں نے بالاتفاق بیان کیا کہ جب تک حضرت میراں محمد شاہ موج دریا بخاری جو اوچ میں رہتے ہیں نہ آئیں گے قلعہ فتح نہ ہوگا اکبر بادشاہ نے چند معتبر سواروں کو ایک تیز رفتار سانڈنی دیکر حضرت کی طلبی کیلئے بھیجا۔ جب سوار حضرت کی خدمت میں پہنچے اور مدعائے حاضری کو زبان پر لائے تو آپ نے فرمایا کہ تم سانڈنی لے کر جاؤ ہم خود ہی چتوڑ پہنچ جائیں گے سواروں نے نشان تشریف آوری دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم لوگ لشکر شاہی میں داخل ہوگے تو اس دن غضب کی آندھی آئے گی تمام قناتیں اور خیمے اُکھڑ جائیں گے۔ مشعلیں اور چراغ گل ہو جائیں گے مگر صرف ایک چراغ جو لشکر شاہی سے کسی قدر فاصلہ پر ہوگا جلتا رہے گا۔ غرض جب وُہ لوگ چتوڑ پہنچے تو بادشاہ کو حضرت کا پیغام سُنایا۔ سر شام جیسی کہ توقع تھی سخت آندھی آئی۔ تمام خیمے اور شامیانے گر پڑے۔ مشعلیں اور چراغ گل ہو گئے

ظلِ سُبحانی اکبر بادشاہ حضرت موج دریا کی تلاش میں نکلے دیکھا کہ کچھ فاصلہ پر ایک
چراغ ٹمٹما رہا ہے۔ بادشاہ پا برہنہ حضرت کی خدمت میں تشریف لے گئے۔
حضرت نے فرمایا کہ جاؤ کل قلعہ فتح ہو جائے گا۔ دُوسرے دن حضرت خود ہی
علی الصباح قلعہ کے پاس تشریف لے گئے۔ اس مہم کے سر ہونے کے بعد حضرت نے
اوچ کی واپسی کا ارادہ کیا۔ بادشاہ نے عرض کی کہ میں آپ کا خادم ہوں۔ اب آپ
اسی ملک میں جہاں چاہیں تشریف رکھیں حضرت نے رد و کد کے بعد لاہور کا مقام
اس لئے پسند فرمایا کہ وہ مخزن اولیاء اور مخزن القبور ایک مدت سے مشہور
چلا آتا تھا۔ اکبر بادشاہ نے حضرت کے نام نو لاکھ روپیہ کی جاگیر علاقہ بٹالہ وغیرہ
میں عطا کی۔ تحقیقات چشتی میں لکھا ہے کہ فرمان عطائے جاگیر مہری و دستخطی
اکبر بادشاہ کا اب تک حضرت کی اولاد کے پاس موجود ہے۔ حضرت کے
نام جب جاگیر ہوئی تو تین جگہ ایک لاہور میں۔ ایک مقام خان فتا متصل بٹالہ
ایک پستا نوالہ علاقہ بٹالہ میں لنگر قائم کر دیئے۔ جب اس جاگیر کی خبر اُمرائے
دربار اکبری کو ہوئی۔ تو انہوں نے اس بے جا فیاضی کی شکایت کی اور کہا کہ
اگر یہ حضرت ایسے ہی صاحب عرفان و کرامت ہیں تو جلتی آگ کے تنور میں
کچھ دیر ٹھیر کر دکھائیں۔ چنانچہ قلعہ شاہی میں ایک بہت بڑا تنور گرم کیا گیا۔ بہت
سی خلقت اور خود ظلِ سبحانی اور حضرت موج دریا اور اُن کا ایک خدمت گار
(باورچی اور وضو کرانے والا) فرید نام بھی وہاں موجود تھا۔ جب حضرت
کے صاحبزادہ سید شہاب الدین کو اس واقع کی اطلاع ہوئی تو آپ بھی
قلعہ کی طرف آئے مگر دربانوں نے داخل ہونے سے روکا۔ آپ بحکم خدا
وہاں شیر کی شکل میں نمودار ہو گئے اور اندرون قلعہ دربار شاہی میں جا پہنچے۔
اکبر خوف کھا کر بھاگا۔ اور حضرت موج دریا سے پناہ مانگی۔ حضرت موج دریا
نے شیر کو فرمایا کہ اے شہاب الدین فقیروں کو ایسا غصہ نہ کرنا چاہیئے
تم اپنی اصلی صورت پر آجاؤ۔ آپ کے صاحبزادہ صاحب یہ سُنکر اصلی صورت
پر آگئے۔ اور اُسی وقت سے اُن کا نام سید شہاب الدین ببر مشہور ہو گیا
(ببرہ ہندی میں شیر کو کہتے ہیں) سید شہاب الدین نے کہا کہ آپ کو

تنور میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مجھے اجازت دیجئے۔ حضرت نے فرمایا ہماری اور تمہاری دونوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ سادات کا ایک ادنٰے خادم فرید اس خدمت کو پورا کرے گا۔ میاں فرید یہ سنتے ہی اللہ اکبر کہہ کر تنور میں کود پڑا۔ اُمرائے دربار نے تنور سے باہر آنے کے لئے ہرچند آوازیں دیں۔ مگر جب تک حضرت موج دریا نے اجازت نہ دی وُہ باہر نہ آئے۔

حضرت موج دریا کی وفات ۱۷ ماہ ربیع الاول ۱۰۱۳ھ ہجری کو اکبر بادشاہ کی وفات سے ایک سال پہلے مقام خان فتا متصل بٹالہ میں واقع ہوئی۔ خان فتا میں جہاں آپ کو غسل دیا گیا۔ وہاں بھی ایک قبر بنی ہوئی ہے۔ آپ کے صاحبزادہ کلاں سید صفی الدین آپ کی نعش مبارک کو لاہور کو لے گئے۔ آپ اکثر بٹالہ میں بھی رہا کرتے تھے۔ کیونکہ وہاں بھی آپ کی ایک بی بی تھی جو کسی مسلمان راجہ کی بیٹی بیان کی جاتی ہے۔ اسی بی بی کے بطن سے سید شہاب الدین مہرا اور سید بہاؤالدین پیدا ہوئے اور سید صفی الدین پہلی بیوی المشہور بہ بیوی وڈی کی اولاد سے ہیں۔ سید شہاب الدین بھی ولئے کامل اور شیخ مکمل تھے۔ اُن کی اولاد گو آج تک بٹالہ میں موجود ہے۔ مگر قبر آپ کی موضع بھوگی وال نواح لاہور میں ہے جو آپ کی وصیت کے مطابق ہنوز خام ہے۔ پیدائش آپ کی ۹۶۴ھ ہجری اور وفات ۱۱ ماہ ذی الحجہ ۱۰۴۱ھ ہجری کو بیان کی جاتی ہے۔ آپ کی وصیت تھی۔ کہ ہمیں لاہور میں ہی دفن کیا جائے اور جہاں ہماری میت ٹھہر جائے وہیں ہماری قبر بھی تیار کی جائے۔ سید شہاب الدین صاحب سے بھی کئی کرامات مشہور ہیں۔ حضرت موج دریا کے مزار پرانوار پر سال بھر میں ایک دفعہ عرس ہوتا ہے۔ رات کو چراغاں اور بھنڈارہ اور صبح کو مجلس طوائفان و قوالان منعقد ہوتی ہے۔ اکثر لوگ وہاں شب باش ہوتے ہیں۔ مولوی نور احمد صاحب زبانی معتبر اشخاص کی لکھتے ہیں۔ کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں چالیس روپیہ ماہوار اس خانقاہ کے لئے مقرر تھا۔ اور مقررہ ماہانہ کے علاوہ ہمیشہ

تدر پیش کش بھی دیا کرتے تھے۔

گوروارجن

آپ کے باپ کا نام گورو رام داس تھا۔ جو لاہور کے ایک کھتری قوم سودھی مسمی ہرداس کے بیٹے تھے۔ آپ ۱۸ ویساکھ سمت ۱۶۱۱ کو گوبند وال ضلع امرتسر میں پیدا ہوئے۔ گوروارجن کے دو بڑے بھائی پرتھی راج اور مہادیو بھی تھے۔ مہادیو تو فقیر مست اور لاولد تھا۔ البتہ پرتھی راج جو سب سے بڑا تھا۔ اپنے سب سے چھوٹے بھائی گوروارجن سے بدرجہ کمال دشمنی رکھتا تھا۔ اس دشمنی کی وجہ یہ تھی کہ گورو رام داس نے گوروارجن کو لائق اور ہونہار دیکھ کر اپنا سجادہ نشین کرنا چاہا تھا۔ اور پرتھی چند بخیال بزرگی و نخوت سجادہ نشینی کو اپنا حق سمجھتا تھا۔ پرتھی چند کا ایک اور معاون دیوان[1] چندولال بھی تھا جو گوروارجن کا پرتھی چند سے کم دشمن نہ تھا۔ اُس کی عداوت کی یہ وجہ تھی کہ چندولال اپنی بیٹی کا رشتہ گوروارجن کے لڑکے گورو ہرگوبند سے کرنا چاہتا تھا۔ اور گورو صاحب نے انکار کر دیا تھا۔ غرض پرتھی چند اور چندولال نے اتفاق کر کے بادشاہ کو گورو صاحب کی طرف سے بدظن کرنا چاہا اور بادشاہ کے حضور میں گورو صاحب کے خلاف بہت کچھ زمین آسمان کے قلابے ملائے۔ یہ بات سچی ہے کہ بادشاہوں کے کان ہوتے ہیں آنکھیں نہیں ہوتیں۔ جہاں پناہ کچھ کہنا ہی چاہتے تھے۔ کہ نواب وزیر خان دغا[؟] بانیٔ مسجد وزیر خاں، نے گورو صاحب کی مرنج و مرنجان پالیسی اوران کی عبادت، وزہد اور صاحبدل ہونے کا تذکرہ کیا۔ اور مشاہدہ میں چشم دید واقعہ یہ بیان کیا کہ جب میں لاہور میں، درد شکم سے سخت علیل تھا۔ اور

[1] دیوان چندولال شاہنشاہ جہانگیر کے حضور میں شاہی دیوان تھے۔

باوجود علاج معالجہ کے کچھ بھی آرام نہ ہُوا۔ تو ایک دن اتفاق سے ایک سکھ
بانی سکھ منی گورو ارجن صاحب کی باآواز بلند پڑھتا ہُوا میرے مکان کے نیچے
سے گذرا۔ جب وُہ آواز میرے کانوں میں پڑی تو درد سے فوراً آرام ہو گیا
اسی طرح وُہ سکھ ہر روز گذرنے لگا۔ جب تک اُس کا آواز مجھے سُنائی دیتا درد
سے آرام رہتا اور نا شنوائی کے بعد پھر وہی حال ہو جاتا میں۔ نے ایک دن
اُس سکھ کو اوپر بُلوا کر تمام بانی دیر تک سُنی اُس کے چلے جانے کے بعد بدستور
درد شروع ہو گیا۔ آخر میں خود گورو صاحب کی خدمت میں بمقام امرت سر گیا۔
جہاں اُن کو صاحب کمال پایا اور انہیں کی نظر توجہ سے میری بیماری بھی رفع
ہُوئی۔ اس بیان سے پرتھی چند اور دیوان چندو لال نہایت خفیف ہوئے
مگر بجائے تائب ہونے کے ایذا رسانی کی اور بھی تدبیریں سوچنے لگے۔
ایک دفعہ شاہنشاہ جہانگیر لاہور تشریف لائے تو اُس وقت گورو ارجن صاحب
امرت سر میں تھے۔ چندو لال نے موقع دیکھ کر کہا کہ خداوند! دیکھئے گورو ارجن
مغرور ہے۔ حضور کے سلام کو بھی حاضر نہیں ہُوا۔ شاہنشاہ نے فرمایا کہ اے
دیوان وُہ فقیر ہیں۔ فقیر کسی کے پابند نہیں ہوتے۔ یہ بات تو رفع دفع ہو گئی مگر
جب کچھ عرصے کے بعد گورو ارجن کی شہرت پر لگا کر اُڑنے لگی تو بادشاہ کو بھی
ملاقات کا شوق ہُوا۔ چنانچہ نہایت اشتیاق سے بلوایا۔ گورو صاحب آئے تو
دیوان چندو لال نے شرارت و فتنہ پردازی کی راہ سے اُن کی نہایت عزت
کی اور اپنے مکان محلہ ہیرا منڈی میں لے گیا۔ جب گورو صاحب اُس کے مکان
پر پہنچے تو اُس نے حکمت عملی سے گورو صاحب کے ساتھیوں کو الگ کر دیا
اور گورو صاحب کو قید کر لیا۔ چندو لال نے قید کر کے گورو صاحب کو سخت
سخت ایذائیں دیں اور آخر یہاں تک کہا کہ اُسی طرح عذاب دے دیکر قید میں
مار ڈالوں گا۔ اگر جان کی خیر چاہتے ہو تو ناطہ قبول کر لو۔ مگر اُن برگزیدہ خدا
نے باوجود شبانہ روز تکالیف برداشت کرنے کے ناطہ کے سوال سے
ہر دفعہ اور ہر مرتبہ انکار کیا۔ اس ناخدا ترس نے کئی کئی دن تک گورو صاحب
کو کھانا بھی نہ دیا۔ بلکہ دیگ ہائے کلاں میں پانی گرم کرا کے اس میں اُن کو

بٹھایا کرتا تھا۔ دیوان چندو لال کی بہو سکھوں کے ایک معزز گھرانے کی لڑکی تھی۔ وُہ
رات دن اسی غم میں رہا کرتی تھی کہ اس ظالم کے ہاتھوں سے گرو صاحب کو جو تکلیف
پہنچ رہی ہے کہیں قیامت کے دن میں بھی اس مواخذہ میں نہ آجاؤں آخر بیچاری
ایک دن نظر بچا کر گرو صاحب کے پاس پہنچی اور اپنی مجبُوری ظاہر کی۔ گرو صاحب
نے کہا خدا تم کو خوش رکھے ہماری تکالیف اب ختم ہونے والی ہیں۔ کل
ہمارا کال ہو جائے گا۔ اس کے گھر پر سخت مُصیبت آئے گی۔ اور ہماری
وفات کے کچھ عرصہ بعد ہمارا لائق فرزند گورو ہرگوبند اس سے ہمارا انتقام لے گا
بہو بےچاری یہ سُنکر زار زار روئی اور آنے والی مصائب سے بچنے کے لئے اپنی
موت کی درخواست کی گورو صاحب نے کہا کہ اچھا تو بھی کل مرجائے گی۔
تھوڑی دیر کے بعد جب بہو چلی گئی تو چندو لال نے گورو صاحب کو آکر کہا
کہ ناطہ قبول کرلو تو بہتر ورنہ گائے کے چمڑے میں تم کو بند کرکے مروا ڈالونگا
گرو صاحب نے کہا کہ ہم کو دریا راوی کا اشنان کر آنے دے۔ پھر جو تو کہیگا
مان لیں گے۔ چندو لال نے اجازت دے دی۔ گورو صاحب معہ اپنے ہمراہی
سکھوں کے سخت پہرہ کی نگرانی میں اشنان کو روانہ ہُوئے۔ جب گرو صاحب
قلعہ[1] کے نیچے پہنچے تو بلب دریائے راوی میں اشنان کیا اور اشنان کے بعد
بوقت ۹ بجے دن کے چادر تان کر جان بحق ہو گئے۔ اُن کی تاریخ وفات
بروز ۴ ماہ جیٹھ سدی سمت ۱۶۶۳ بکرما جیتی مطابق ۱۰۲۳ھ ہجری تھی اُدھر چندو
لال کو خیال گذرا کہ ابھی تک واپس نہیں آئے۔ کہیں بادشاہ کے حضور میں استغاثہ
ہی نہ دائر کردیا ہو وُہ ان کو لینے کے لئے دریا پر آیا۔ جہاں ان کو اس حالت
میں دیکھ کر اور شرمندہ ہو کر واپس چلا گیا۔ جب گھر آیا وہاں بھی کہرام مچا
ہوُا تھا دریافت کیا کہ کیا ہے؟ معلوم ہوُا کہ بہو آپ کی فوت ہو گئی ہے۔
غرض یہ تھی چند اور چندو لال نے آپ کو حد سے زیادہ تکلیفیں دیں ایک
دفعہ گورو رام داس نے گورو ارجن صاحب کو ایک شادی پر لاہور روانہ

[1] اس زمانہ میں دریائے راوی قلعہ اور بادشاہی مسجد بلکہ شہر کے پاس سے ہو کر گذرتا تھا۔

کیا اور تاکید کی کہ جب تک ہم طلب نہ کریں امرت سر نہ آنا۔ جب گرو ارجن صاحب کو لاہور میں آئے ایک عرصہ ہو گیا تو پتا کے دیدار کے لئے تڑپنے لگے پے در پے دو تین خطوط لکھے مگر پرتھی چند نے ایک خط بھی پیش نہ ہونے دیا گورو ارجن صاحب حیران تھے کہ خط کا جواب کیوں نہیں آتا آخر معلوم ہوا کہ خط گورو صاحب کو نہیں بلکہ پرتھی چند کو پہنچتے رہے ہیں۔ گورو ارجن نے تیسرا خط لکھ کر قاصد کو تاکید کی کہ یہ خاص گورو ارجن کے گھر گورو ہر گوبند پیدا ہوئے تو پرتھی چند کیلئے ع
سمند عمر پہ اک اور تازیانہ ہوا۔ دل آتش حسد سے جل کر کباب ہو گیا دائیوں کی معرفت اور دوسری کئی سبیلوں سے گورو ہر گوبند کے مروا ڈالنے کی بہتیری کوشش کی۔ مگر خدا کو اُن کی موجودگی سے بابا نانک صاحب کا نام روشن کرنا منظور تھا اور فقیری و امیری کو اُن کے در دولت پر آستانہ بوس کرنا تھا ان کی موت کس طرح واقع ہوئی۔ گورو ارجن صاحب کی وفات کے بعد گرو ہر گوبند نے شاہنشاہ جہانگیر کی اجازت سے دیوان چندو لال کو نہایت عذاب اور تکلیفیں دے دے کر مارا۔ گورو ارجن صاحب کی سمادھ دروازہ روشنائی کے باہر قلعہ کے دروازہ کے شمالی جانب اور سمادھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس ہے جہاں میلہ نہایت زور شور سے ہوتا ہے۔

شاہ محمدؐ غوث

آپ کے والد کا نام سید حسن بن سید عبداللہ ہے سترہ واسطوں سے آپ کا سلسلہ صلبیہ حضرت غوث الاعظم تک ملتا ہے ہے۔ آپ کے جد امجد سید عبداللہ نے جو گیلان سے وارد ہندوستان ہوئے تھے تمام مُلکوں کی سیر کرکے پشاور کو اپنا مسکن قرار دیا تھا۔ حضرت شاہ محمد غوث قادری قدس سرہ نے بھی بہت سیر کی ہے حضرت شاہ دولہ۔ شاہ بھیکہ حضرت سید عبدالغفور

نقشبندی اور صدہا بزرگانِ وقت کی خدمت سے فیض یاب ہوتے رہے۔
آپ نے ایک رسالہ بھی بنام غوثیہ لکھا ہے۔ جس میں آپ تحریر فرماتے ہیں
کہ جب میں پہلے پہل لاہور آیا تو اوّل ہی اوّل مقبرہ عالیہ حضرت میانمیر میں شب باشی
ہوئی۔ رات کو خواب میں حضرت میانمیر نے ایک وظیفہ پڑھنے کے لئے عطا
فرمایا دُوسرے دن وہاں سے روانہ ہو کر حضرت شیخ حامد لاہوری[1] سے طالب
استفادہ ہوُا۔ انہوں نے براہ کشف فرمایا کہ حضرت میانمیر نے جو شغل تم کو
عطا کیا ہے وہی کافی ہے کچھ اور بتانے کی ضرورت نہیں۔ یہ بھی روایت ہے
کہ دو شخص ایک گونگا اور ایک اندھا حضرت کی خدمت میں آئے اور نیازمندانہ
طور پر عرض کیا کہ حضرت آپ سیّد ہیں ہم آپ کا نام سُنکر آئے ہیں جناب
الٰہی میں ہمارے لئے دُعائے شفا کیجئے۔ یہ سُنکر حضرت اُن کی طرف
متوجہ ہُوئے۔ اور بعد ازاں اپنا دست مُبارک اندھے کی آنکھ پر لگایا
جس سے وُہ بینا ہو گیا۔ پھر گونگے کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ کلمہ پڑھ
اس نے اسی وقت کلمہ پڑھا۔ مُصنّف تحقیقات چشتی حضرت کی ایک چشم دید
کرامت کا تذکرہ ان الفاظ میں لکھتا ہے کہ جب بعہد سکھاں کنور نونہال
سنگھ خلف مہاراجہ کھڑک سنگھ ولیعہد مہاراجہ رنجیت سنگھ خود مختار ہوُا
تو اُس نے نواح شہر لاہور کی صفائی کرانے کے ارادہ سے درختوں اور
مکانوں کے گرائے جانے کا حکم دیا۔ سب سے پہلے بیرون دروازہ دہلی کی صفائی
شروع ہُوئی۔ جب مزدوروں نے خانقاہ کے درخت کاٹ ڈالے اور نوبت
مزار پُرانوار کو منہدم کرنے کی آئی تو رعایا اور سرداران وقت سے اکثر لوگوں
نے کنور نونہال سنگھ سے بمنت التجا کی کہ اس خانقاہ کا ادب ملحوظ رکھو اور اس کو
اسی حالت میں رہنے دو۔ مگر کنور صاحب نے ازراہِ حکومت و نخوت کچھ پرواہ نہ
کی خدا کی قدرت کہ اسی رات کو مہاراجہ کھڑک سنگھ کنور نونہال سنگھ کا باپ
رہگرائے عالم جاودانی ہو گیا۔ دُوسرے دن مزدور وغیرہ بسبب ماتمی تعطیل

---

[1] شیخ حامد علی لاہوری ایک صاحب باطن بزرگ ہمیشہ متصل مزار حضرت داتا گنج بخش رہا کرتے تھے۔

کے کام پر نہ آئے۔ مگر لوگوں کو یہ خوف طاری تھا کہ اگر آج بچ رہی ہے تو کل ضرور ہی یہ خانقاہ گرادی جائے گی۔ جب کنور نونہال سنگھ مہاراجہ کھڑک سنگھ کو جلا کر دروازہ روشنائی متصل قلعہ سے داخل ہونے لگا تو ایک سنگ عظیم اور دیوار کا تھوڑا سا ٹکڑا کنور صاحب اور راجہ اودہم سنگھ خلف راجہ گلاب سنگھ برادر حقیقی مہاراجہ رنبیر سنگھ آنجہانی والئے سابق جموں کشمیر کے سر پر گر پڑا جس کے صدمے سے اُسی رات کو دونوں صاحب جان بحق ہو گئے۔ اور یہ مزار پُرانوار صدمہ انہدام سے محفوظ رہا۔ مزار اور مسجد اور حوض اور ملحقہ مکانات نہایت خوبصورت ہیں۔ احاطہ مزار میں داخل ہونے کے لئے دو تین رستے ہیں مگر اصل رستہ وُہی ہے جس پر بارگاہ حضرت شاہ محمد غوث لکھا ہوا ہے یہ رستہ عین لب سڑک پر واقعہ ہے۔ مزار آپ کا بیرون دہلی دروازہ واکبری دروازہ ہے۔ آپ کی وفات ۱۱۵۲ ہجری میں ہوئی تھی۔ جہاں اب آپ کا مزار ہے وہاں شاہان مغلیہ کے زمانہ میں بعہد اورنگ زیب عالمگیر اس کے دودھ بھائی فدائی خاں کوکہ کی حویلی تھی مزار پُرانوار پر سال بسال عرس بتاریخ ۱۷ ماہ ربیع الاوّل عُرس کے موقع پر نہایت دھوم ہوتی ہے۔ اور زائرین لاہور امرتسر اور گردونواح اور بعض اور شہروں سے نہایت کثرت سے آتے ہیں۔ رات کو آتش بازی بھی چلتی ہے۔ آپ کی اولاد پشاور خطۂ کشمیر میں بھی نہایت معزز و محترم ہے۔

شاہ جمال

یہ مقبرہ عالیہ بنام نہاد دمدمہ حضرت شاہ جمال لاہور سے تین کوس کے فاصلہ پر بجانب جنوب اور موضع اچھرا سے بجانب شرق واقعہ ہے۔ حضرت شاہ جمال دو حقیقی بھائی تھے۔ دُوسرے کا نام شاہ کمال تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں قادری اور سہروردی بزرگ اصلی معنوں میں صاحب جمال و کمال تھے

حضرت نے اپنا دمدمہ بحین حیات سات منزل تک تیار کرایا تھا۔ ان دنوں سرائے[1] گولیاں والی جس میں شاہانِ مغلیہ کے عہد میں گولہ بارود وغیرہ جمع رہا کرتا تھا تعمیر ہو رہی تھی۔ جو مزدوروں کو سرائے کی مزدوری کرتے تھے۔ رات کو وہی لوگ دگنی اُجرت پر دمدمہ تعمیر کیا کرتے تھے۔ جب یہ دمدمہ ہجری میں تیار ہوچکا اور اُس پر چڑھنے سے نگاہ بڑے بڑے بلند مکانات پر پڑنے لگی تو ایک شاہزادی (بنت اکبر بادشاہ) نے کہ جس کا مکان اسی نواح میں تھا حضرت کو ازراہِ خفگی کہلا بھیجا کہ اگر کوئی امیر ایسی حرکت کرتا تو فوراً کیفرِ کردار کو پہنچ جاتا۔ مگر تم فقیر ہو کچھ کہا نہیں جاتا۔ ہماری خوشی اسی میں ہے کہ ہفت منزلہ دمدمہ گرا دو۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ ہم اس مکان کو نیچا کر لیتے ہیں۔ مگر یاد ہے کہ ہم اس مکان کو نیچا کر لیتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ تیری حویلی کا بھی عنقریب ہی نام و نشان نہ رہے گا۔ جب رات ہوئی تو آپ نے سب سے اُوپر کی منزل پر چڑھ کر رقصِ عارفانہ بحالتِ وجد کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ دمدمہ کی نیچے کی پانچ منزلیں زمین میں دھس گئیں اور صرف اُوپر کی دو منزلیں رہ گئیں۔ جو اب موجود ہیں۔ جب لوگوں نے حضرت کی یہ کرامت دیکھی تو حصولِ فوائد کے لئے خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ انہیں دنوں میں دو ہول کھتری بحصولِ اولاد چند خربوزہ بطریق نذر لیکر حاضر ہوا۔ حضرت نے نظر منظور فرما کر دو خربوزے اس کو واپس دیدیئے اور آپ نماز پڑھنے لگے۔ دو ہول نے اس خیال سے کہ یہ خربوزے مجھے تراشنے کو دیئے گئے ہیں۔ ایک خربوزہ کو تراشنا شروع کیا۔ جب حضرت نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ یہ کیا کیا۔ یہ خربوزے تراشنے کو نہیں دیئے گئے تھے بلکہ یہ دو فرزند تھے۔ خیر اب بھی جو ایک خربوزہ ثابت باقی ہے اس کو اپنی عورت کو کھلا دے۔ جنابِ الٰہی سے اب بھی دو بیٹے ہی ہونگے۔ مگر اتنا فرق ضرور ہوگا۔ کہ ایک ہندو اور ایک مسلمان ہوگا۔ جو ہمارا خادم رہے گا۔ مدت کے بعد دو ہول کے گھر بیٹا پیدا ہوا۔ حسن عقیدت

---

[1] یہ سرائے بڑی سرائے تھی۔ پندرہ بیس ہزار آدمی اس میں سما سکتا تھا۔ اب ٹوٹے پھوٹے نشان باقی ہیں۔

کو اور بھی ترقی ہوئی۔ چار سال کے بعد ایک اور لڑکا پیدا ہوا جو ضعیف القوئے اور مجنون سا تھا جسے وُہ حضرت کے ارشاد کے مطابق اُن کی نذر کو لایا۔ حضرت نے شیخ فریدالدین اُس کا نام رکھا۔ جب وُہ بڑا ہوا تو محلہ جوڑے موری میں ایک مکان اُس کو خرید دیا۔ چنانچہ اب تک وُہ مکان شاہ جمال کے نام سے مشہور چلا آتا ہے۔ شیخ فریدالدین حضرت کا نہایت ہی فرمانبردار خادم تھا اور حضرت بھی اُس کی طرف بہت خیال رکھا کرتے تھے۔ آخر جب فریدالدین صاحب اولاد ہو گیا تو حضرت نے ایک دن اُس کے مکان کے نیچے آکر آواز دی کہ عیال و اطفال اور اسباب وغیرہ گھر سے باہر نکال لو اُس نے بغیر سبب پوچھنے کے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ خدا کی قدرت کہ جب شیخ فریدالدین تمام مال اسباب گھر سے باہر نکال چکا تو مکان گر پڑا۔ شیخ فریدالدین کی اولاد اب تک لاہور میں موجود ہے حضرت شاہ جمال کی وفات کے تذکرہ کے متعلق لکھا ہے کہ چاہ چرخی دار کے پاس ایک حجرہ قالبوتی تھا جس میں آپ بحین حیات اکثر عبادت کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ اس میں چلہ بیٹھے تیس دن کے بعد جبکہ چلہ کے ختم ہونے میں دس دن باقی تھے حجرہ کے بیرونی در کا چھت گر پڑا۔ اور آپ بیچ میں آ گئے۔ خدام نے چاہا کہ حضرت کو باہر نکالیں مگر اندر سے آواز آئی کہ جو ہونا تھا ہو گیا مشیت ایزدی میں کیا چارہ ہے اب ہمارا پردہ فاش نہ کرو بلکہ حجرہ کا دروازہ بند کر کے اُوپر قبر کا نشان بنا دو۔ چنانچہ شیخ فریدالدین اور دُوسرے خدام نے دروازہ بند کر کے اوپر قبر کا نشان بنا دیا۔ بعض اس طرح بیان کرتے ہیں۔ کہ اس حجرہ میں آپ ہر روز حسب معمول بوقت ظہر جایا کرتے اور بوقت عصر باہر آیا کرتے تھے۔ ایک دن اندر جا کر آواز دی کہ دروازہ باہر سے بند کر دو۔ جس کی فریدالدین نے تعمیل کر دی۔ یہ واقعہ چار ماہ ربیع الثانی ۱۰۶۱ھ ہجری کا ہے سلسلہ آپ کا سہروردیہ قادریہ تھا جو بارہ واسطوں سے حضرت مرتضےٰ علی تک پہنچتا ہے چاہ چرخی دار کی مرمت جس کی منڈیر اب چونہ گچ ہے بعد مہاراجہ شیر سنگھ راجہ دھیان سنگھ نے اپنے صرف سے تیار کرائی تھی۔ تاریخ وفات کو آپکا سالانہ عرس ہوتا ہے جس میں لاہور۔ قصور۔ امرت سر سے اکثر شیخ لوگ آتے ہیں

اُن کے علاوہ لاہور اور اس کے گرد و نواح کی بھی بے شمار خلقت وہاں شب باش ہوتی ہے بھنڈارہ اچھا ہوتا ہے۔ سرود سماع کی محفل بھی گرم ہوتی ہے۔ آج سے پچاس سال پہلے شیخ لوگ رسم ناطہ بھی اسی مزار پر ادا کیا کرتے تھے۔ مگر اب غالباً یہ رسم نہیں ہے۔ تحقیقات چشتی میں لکھا ہے کہ میلہ کچھ ایسا بڑا نہیں ہوتا معمولی شیخ لوگ اور چند دوکانیں ہوتی ہیں۔ ممکن ہے اس زمانہ میں رجس کو نصف صدی کا عرصہ گذر چکا ہے) ایسی ہی بے رونقی ہو مگر اب تو وہاں نہایت رونق ہوتی ہے۔ گاڑیاں۔ بگھیاں۔ ٹم ٹم اور چھکڑے اس کثرت سے میلہ عرس کے دن چلتے ہیں کہ جن کا شمار بھی مشکل ہے۔ سینکڑوں لوگ اپنے عیال و اطفال زنانہ و مردانہ اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو ساتھ لیکر وہاں شب باش ہوتے ہیں۔ دوکانیں بھی کثرت سے ہوتی ہیں۔ اور خلقت کا ہجوم بھی حد شمار سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس مزار کی نسبت یہ خبر آج تک مشہور چلی آتی ہے۔ کہ اگر کوئی شخص عرس کی رات کے علاوہ کسی اور رات وہاں شب باشی کرے تو اس کو وہاں شیر دکھائی دیتے ہیں۔ اور نہایت ہیبت اور خوف آتا ہے۔

درس میاں وڈا

آپ کا اصل نام حافظ محمد اسمعیل تھا والد کا نام فتح اللہ بن عبداللہ خان بن سرفراز خان تھا۔ آپ کے آباؤ اجداد قوم کھوکھر موضع ترگران علاقہ بدھوکھوہ میں زراعت کا کام کیا کرتے تھے۔ مگر جب میاں وڈا ۹۹۵ھ ہجری میں پیدا ہوئے تو ان کے والدین نے موضع لنگر مخدوم عبدالکریم میں (جو لب دریائے چناب موجود ہے) نقل مکان کر لیا۔ میاں وڈا کے والد میاں فتح اللہ صاحب علم ظاہری و باطنی میں کامل تھے۔ مزار اُن کا موضع چھبہ میں بلب دریائے چناب زیارت خلق اللہ ہے حضرت حامد قادری جن کی خانقاہ مقبرہ نواب علی مردان خان کے پاس ہے اپنے اُستاد حافظ تیمور کی زبانی روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ حضرت میاں وڈا صاحب

بحالت خورد سالی اُستاد سے سبق پڑھ رہے تھے۔ لفظ مزبور کو اُستاد زبر سے پڑھاتا تھا اور حضرت زیر سے پڑھتے تھے۔ اُستاد نے جب حسب عادت خود قیلولہ کیا تو خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ اُن کو بمعہ شاگرد لوح محفوظ پر لے گیا ہے جہاں وُہ لفظ ایسا ہی لکھا ہُوا دیکھا۔ جیسا کہ حضرت میاں وڈا کہہ رہے تھے۔ اُستاد نے جب یہ حالت دیکھی تو حضرت کے والدین کو بُلا کر گذشتہ واقعہ سُنایا اور کہا کہ یہ لڑکا صاحب کمال ہوگا۔ اس کے پڑھانے کی مجھ میں طاقت نہیں ہے اس کو کسی اُستاد کامل کے پاس لے جاؤ۔ حضرت کے والدین نے آپ کو مخدوم عبدالکریم صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ کو تحصیل علم کا نہایت ہی شوق تھا۔ اور دل و جان سے اُستاد کی خدمت کیا کرتے تھے۔ اُستاد کی طرف سے آپ کو آسیا سائی یعنی چکی پیسنے کی خدمت ملی ہُوئی تھی۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ اُستاد کو وقت پر آٹا نہ پہنچا۔ اُنہوں نے ایک طالب علم کو بھیجا کہ جاؤ جا کر اس تاخیر کا باعث معلوم کرو۔ جب وہ طالب علم (درویش) وہاں پہنچا۔ کیا دیکھتا ہے کہ میاں وڈا صاحب مشغول بتلاوت قرآن شریف ہیں اور چکی خود بخود آٹا پیس رہی ہے۔ وُہ درویش یہ عجیب واقعہ دیکھکر میاں وڈا صاحب کو فرمانے لگے۔ کہ آج سے جو خدمت تمہارے سپرد تھی وُہ موقوف کی گئی تم تحصیل علوم میں مشغول رہا کرو۔ جب آپ کوئی نہ کوئی خدمت لینے کو بضد ہُوئے تو اُستاد نے فرمایا کہ اچھا ہمارے موشیوں کا دُودھ دونوں وقت دوہ دیا کرو۔ آپ دُودھ دوہنے میں یہاں تک مشاق اور متدین ثابت ہُوئے کہ محلہ والوں نے بھی یہ خدمت آپ ہی سے لینی مناسب سمجھی آپ کا قاعدہ تھا کہ دُودھ کے تمام برتنوں کو سر پر اُٹھا کر جس کا برتن ہوتا تھا اُس کو دے آیا کرتے تھے۔ ایک دن مخدوم صاحب اپنے کوٹھے پر بیٹھے ہُوئے تھے۔ اور حضرت میاں وڈا صاحب سر پر برتن اُٹھائے چلے آتے تھے۔ مخدوم صاحب نے دیکھا کہ برتنوں کی قطار میاں صاحب کے سر سے کسی قدر بلند ہو کر اُنکے سر پر سایہ کئے ہوئے چلی آتی ہے۔ جب میاں وڈا صاحب اُستاد کی خدمت میں آئے تو مخدوم صاحب نے باعزاز تمام اُن کو کہا کہ آپ اب ولئے کامل ہو گئے ہیں۔ اور چونکہ برشتہ

ـه۱ مخدوم صاحب اپنے زمانے کے عارف کامل اور متشرع فاضل تھے۔

شاگردی و اُستادی آپ کو تکلیف ہوتی ہے۔ اسلئے آپ اب تشریف لیجائیں۔ اُستاد کے ارشاد کے مطابق آپ لب دریائے چناب ایک درخت شیشم کے نیچے جا بیٹھے۔ جہاں آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اُس درخت کی جگہ اب موضع لنگے آباد ہے جو ان کے شاگرد محمد افضل (لنگڑے) کے نام پر لنگے مشہور ہے۔ یہاں بھی آپ سے کئی کرامات ظاہر ہوتی رہیں۔ کچھ عرصے کے بعد آپ کو لاہور میں آنے کا اشارہ ہُوا۔ چنانچہ آپ بعمر تینتالیس سال لاہور محلہ تیل پورہ میں تشریف لائے۔ لاہور میں قیام کرنے کے چند روز بعد حضرت داتا گنج بخش کے مزار پر ایک چلہ کیا۔ جب چلہ سے فارغ ہو کر محلہ تیل پورہ میں واپس آئے تو اکثر طالب علم مستفیض ہونے لگے۔ میاں وڈا صاحب علم فقہ و حدیث میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ فیضان اُن کا بہت تھا۔ قرآن شریف اور فقہ و حدیث کی کتابیں سینکڑوں لوگوں نے آپ سے پڑھیں۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے آکر کہا یا حضرت میری عورت قرآن شریف کی حافظ ہے مجھے اُس سے شرمندگی آتی ہے۔ ایسی نظر الطاف کیجئے کہ میں ایک ہی دن میں قرآن شریف کا حافظ ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ تو اُمی محض ہے چھ مہینے میں تجھ کو حفظ کرادینگے اُس نے جب نہایت اصرار کیا تو آپ نے فرمایا۔ کہ اچھا جب ہم سلام پھیرینگے تو انشاءاللہ تو حافظ قرآن ہو جائے گا۔ چنانچہ جب یہ موقع آیا۔ تو دائیں طرف کے تمام نمازی (جن میں سائل بھی موجود تھا) سلام پھیرنے کے بعد حافظ قرآن اور بائیں طرف کے ناظر خوان ہو گئے۔ یہ کرامت آپ کی دُور دُور تک مشہور ہو گئی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ فیضان ہماری قبر سے بھی برابر جاری رہے گا۔ چنانچہ لاہور اور دُور دُور تک یہ مشہور ہے کہ حضرت کے مزار کا گھاس کھانے سے خواہ کیسا ہی کند ذہن کیوں نہ ہو وہ بھی معمول سے جلدی قرآن شریف حفظ کر لیتا ہے۔ آج کل بھی ساٹھ ستر مسافر (یتیم۔ اندھے۔ مفلس وغیرہ) آپ کے مزار پر درس و تدریس میں مشغول رہتے ہیں میاں وڈا صاحب چہار

لے جب لاہور شالامار باغ سے پرے تک آباد تھا اس زمانہ میں جہاں اب حضرت کا مزار ہے تیلیوں کا ایک محلہ تھا اب یہاں تیلیوں کا ایک گورستان ہے اور تیلیوں کا محلہ بنام تیلیوں کا دروازہ شہر میں آباد ہے

حقیقی بھائی تھے۔ اور چاروں ہی تمام عمر مجرد اور تارک الدنیا رہے۔ ایک بھائی کا نام محمد خلیل تھا وہ بھی صاحب باطن ہو گذرے ہیں۔ قبر ان کی موضع چھنی داچک ضلع سیالکوٹ میں زیارت خلق ہے۔ دوسرے بھائی کا نام محمد ابراہیم ہے۔ جن کی قبر بھی محمد خلیل صاحب کی قبر کے پاس ہی ہے۔ تیسرے بھائی محمد حسین تھے جن کی قبر گورستان بیبیاں میں بیان کی جاتی ہے۔ آپ بتاریخ ۵ ماہ شوال ۱۰۹۵ھ ہجری میں رہگرائے عالم بقا ہوئے۔ آپ کی خانقاہ کے در جنوبی پر برنگ کاسنی یہ قطعہ تاریخ لکھا ہوا ہے۔ ؎

شنو تاریخ آں دریائے معنے — کہ عمرش گشت در عشق خدا صرف
دل و جان کرد قربان الٰہی — کہ اسماعیل ثانی بود بے صرف

آپ کے سب سے پہلے سجادہ نشین حضرت محمد صالح تھے۔ جو پچیس سال تک آپ کے بعد درس و تدریس کرتے رہے۔ حضرت محمد صالح کی نسبت یہ روایت مشہور ہے۔ کہ جب انہوں نے میاں وڈا صاحب کا چرچا سنا تو تحصیل علم کے لئے لاہور روانہ ہوئے۔ جس دن انہوں نے لاہور میں پہنچنا تھا اس دن حضرت میاں وڈا مسجد سے بار بار کبھی باہر آتے اور کبھی اندر جاتے تھے۔ لوگوں نے اس تردد اور بے کلی کا باعث پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ آج وہ شخص یہاں آنے والا ہے جو ہمارے بعد اس تمام ورثہ کا مالک ہو گا اور جس کی متابعت تم سب لوگوں پر فرض ہو گی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد حضرت محمد صالح بھی آپہنچے۔ میاں وڈا صاحب کے مزار کے پاس ایک مزار میاں جان محمد صاحب کا بھی ہے جو اپنے وقت کے جنید اور شبلی ہو گذرے ہیں۔ آپ کی وفات ۱۱۰۳ھ میں ہوئی۔ آپ اور حضرت میاں وڈا کو باہم فیضان صحبت تھا آپ کے مزار پر قطعہ مندرجہ ذیل اشعار میں درج ہے

جہان معنے و جان محمد
کہ از عشق محمد گشتہ محمود
خرد از فضل حق تاریخ سالش
وصال عاشق و معشوق فرمود

درس میاں وڈا کا ایک خونریز جنگ بھی قابل تحریر ہے جو مہاراجہ دلیپ سنگھ کے وقت ۱۸۴۳ء میں واقعہ ہوا تھا۔ اس کی کیفیت اس طرح ہے کہ راجہ ہیرا سنگھ و راجہ دھیان سنگھ وزیر اور پنڈت جلا مشیر اور مدار المہام کی موجودگی میں راجہ سوچیت سنگھ برادر حقیقی مہاراجہ گلاب سنگھ سابق والیٔ جموں و کشمیر نے سلطنت لاہور کی وزارت کا دعویٰ کیا۔ لاہور سے جموں پہنچکر اس نے خفیہ کارروائیاں کرنا شروع کیں۔ بعض سکھ افسروں کی صلاح سے وہ کچھ فوج لیکر روانہ لاہور ہوا۔ اور جب دریائے راوی پر پہنچا تو چند امراء و مصاحب اور کل پچاس سواروں کی جمعیت سے دریا گذر کر بیرون شہر آ گیا۔ یہاں آکر معلوم ہوا۔ کہ سکھ افسر جنہوں نے امداد کا وعدہ کیا تھا بدعہد ہو گئے ہیں۔ واپسی کا ارادہ کیا۔ اگر تقدیر اچھی ہوتی تو اسی وقت اپنی فوج میں دریا پار چلا جاتا۔ مگر جب خانقاہ حضرت میاں وڈا تک پہنچا تو حکم دیا کہ رات کو ڈیرہ اسی جگہ ہو۔ ہر چند اس وقت کے سجادہ نشین میاں شرف الدین نے نذر دکھا کر سمجھایا کہ یہ جگہ محفوظ نہیں ہے آپ شالا باغ میں یا اپنی فوج میں چلے جائیں۔ مگر راجہ کے سر پر موت منڈلا رہی تھی اس نے ایک بھی نہ مانی۔ ابھی دن اچھی طرح بھی نہ نکلا تھا کہ سکھوں کی تمام فوج معہ توپ خانہ آ پہنچی اور مکان کا چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا۔ افسران فوج نے راجہ ہیرا سنگھ سے کہا کہ یہ فقیر کا مکان ہے گولہ باری نہ ہونا چاہیئے۔ راجہ ہیرا سنگھ نے کہا جس قدر مکان کا نقصان ہوگا ہم مرمت کرا دینگے۔ غرض گولہ باری اور تیر و تفنگ شروع ہو گئے راجہ سوچیت سنگھ ہر چند نہایت بہادری سے لڑا اور جب تک کشتوں کے پشتے نہ لگا دیئے اسکو چین نہ آیا۔ مگر اسقدر ٹڈی دل فوج میں ایک اکیلی جان کیا کر سکتی تھی آخر بیچارا قتل کیا گیا۔ مزار حضرت میاں وڈا کا جا درس میاں وڈا مشہور ہے اور شالامار باغ سے جنوب کی طرف واقع ہے۔ جب عالمگیر نے تخت شاہی پر جلوس فرمایا تو بہت سی زمین اور چاہات کی معافی اس مزار کے نام واگذار کر دی مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بھی دو مزروعہ چاہات عطا کئے۔ موضع لنگے اور لون میانی میں بھی ایک چاہ اور پندرہ سو بیگہ زمین کی معافی ہے۔

بی بی پاکدامناں

یہ قبرستان لاہور کا ایک مشہور قبرستان بیوی صاحبان کے نام سے مشہور ہے اُن کی کیفیت صاحب تحقیقات اس طرح لکھتے ہیں کہ یہ کل چھ بی بیاں تھیں ایک تو حضرت مرتضٰے علیؓ کی صاحبزادی ہمشیرہ حضرت عباس باسم رقیہ المشہور بی بی حاج تھیں اور پانچ صاحبزادیاں حضرت عقیل برادر حضرت علی مرتضیٰ کی صاحبزادیاں تھیں جن کے نام درج ذیل ہیں (۱) بی بی حور (۲) بی بی نور (۳) حضرت بی بی گوہر (۴) حضرت بی بی تاج (۵) حضرت بی بی شہباز - روایت ہے کہ جب سید الکونین حضرت حسین شاہ کربلا کوفہ کو روانہ ہوئے تو یہ بی بیاں بھی ہمراہ تھیں - نہم محرم الحرام کو حسب ایمائے باطنی جناب علی مرتضیٰ کے آپ نے ان بیبیوں کو یہاں سے کسی طرف نکل جانے کا ارشاد فرمایا انہوں نے بادیدہ پُرنم کہا اخی ہم آپ کو اس حال میں چھوڑ کر کہاں جائیں اور قیامت کے دن بی بی فاطمہؓ کو کیا منہ دکھائیں گے - آپ نے فرمایا کہ امر مجبوری ہے - میں اپنی طرف سے نہیں کہتا شیر خدا علیؓ مرتضیٰ کا حکم ہے بی بیوں نے عرض کیا کہ کس طرف جائیں - حضرت نے ہندوستان کا اشارہ کیا آخر یہ بی بیاں وہاں سے روانہ ہوئیں - دُوسرے دن رستہ ہی میں وُہ واقعہ جانگداز سُنا - جس کے بیان کرنے کے لئے پتھر کا دل چاہیئے - اور جس کا انصاف قیامت کے دن ہونے والا ہے - یہ مظلوم اور غریب الوطن بیبیاں معہ ایک چھوٹی سی جماعت کے ایک عرصہ کے بعد آخر کار لاہور میں وارد ہوئیں - بیان کیا جاتا ہے کہ جب یہ بیبیاں لاہور میں پہنچیں تو آتشکدے سرد ہو گئے اور بتوں میں فتور اور خلل برپا ہوا لاہور کے راجہ نے جوتشیوں سے اس تھلکہ کا باعث پوچھا جنہوں نے بالاتفاق بیان کیا کہ یہاں چند پاکدامن عرب نژاد بیبیاں آئی ہیں یہ انہیں کے قدوم کا نتیجہ ہے راجہ نے ان کی طلبی کے لئے آدمی بھیجے ستم رسیدہ بی بیاں بہت حیران ہوئیں کہ اوّل تو

۱؎ بظاہر یہ تمام نام زبان فارسی کے معلوم ہوتے ہیں۔

تو ہم مظلوم پھر اہل وطن اور بھائیوں کی جدائی اس پر ملک بیگانہ غرض جب آدمی لینے کو آئے تو انہوں نے انکار کر دیا۔ آخر راجہ نے اپنے بیٹے کو بھیجا کہ یا تو انکو حاضر کر دیا اپنی قلمرو سے نکال دو۔ جب راجہ کا بیٹا بیبیوں کے پاس آیا تو انہوں نے از راہ منت و سماجت کہا کہ بابا ہم غریب مسافر ستم رسیدہ اور بے خانماں ہیں برائے خدا ہم کو تکلیف نہ دو۔ اگر ہمارے یہاں رہنے سے ناراض ہو تو ہم لوگ چلے جائیں گے۔ راجہ کے بیٹے نے کہا۔ میں مجبور ہوں اور والئے ملک کے حکم کی تعمیل ضروری ہے آخر جب راجہ کا بیٹا بضد ہوا تو بی بی صاحبہ کلاں (بی بی تاج) نے راجہ کے بیٹے کو اس نگاہ غضب و جلال سے دیکھا کہ وہ بیہوش ہو کر گر پڑا جب اسے ہوش آیا تو رویا اور بی بی صاحبہ کے قدم مبارک پر گر پڑا اور معافی کا طلبگار ہو کر دعوت اسلام کو قبول کیا۔ جب یہ خبر راجہ کو پہنچی تو نہایت پریشان ہوا کچھ دنوں کے بعد تمام ہندوؤں نے بلوہ کر کے شورش کر دی اور بیبیوں کو تنگ کرنا شروع کیا۔ بیبیاں بیچاری ابھی حادثہ کربلا بھی فراموش نہ کر چکی تھیں کہ اور مصیبت پیش آگئی۔ آخر جناب الٰہی میں بخضوع و خشوع دعا کی کہ بار الٰہا ہم لوگوں کا پردہ رکھ لے زمین کو حکم دے کہ ہمیں اپنی آغوش میں لے لے۔ یہ دعا فوراً مستجاب ہوئی۔ زمین کو شگاف ہوا اور تمام بیبیاں اس میں سما گئیں۔ جب اس کنور راجہ کے بیٹے نے جس کا اسلامی نام عبد اللہ تھا یہ کرامت دیکھی تو صدق دل سے فقیر ہو گیا اور تمام بیبیوں کی قبریں بنا کر مجاوروں کی طرح رہنے لگا۔ راجہ ہر چند اپنے بیٹے سے محبت نہ کرتا تھا مگر آتش فرزندی کے لحاظ سے کچھ زمین اس کو دیدی تھی۔ عبد اللہ کا نام کچھ عرصہ کے بعد بابا خاکی مشہور ہو گیا۔ نکاح بھی کیا اور اکثر اولاد بھی ہوئی۔ کئی سو سال کے بعد جب سلطان محمود غزنوی المشہور بت شکن سلطان نے راجہ جے پال کو شکست دیکر لاہور میں قدم رکھا۔ اور ان پاکدامنہ بی بیوں کا تذکرہ سنا تو بارادت قلبی چاردیواری پختہ اور خانقاہ میں چند دالان تعمیر کرائے۔ پھر صدیوں کے بعد اکبر بادشاہ کے عہد میں چند اور عمارتیں بھی تعمیر ہوئیں۔ اور اسی زمانہ سے یہ قبرستان مقرر کیا گیا۔ شاہان سلف نے جس قدر زمین اس مزار کے ساتھ وگزار

کی ہوئی تھی۔ اکبر نے اُس کے علاوہ چار چاہات مزروعہ اور بھی عطا کیئے۔ اسی قبرستان میں نواب شیخ امام الدین خان مرحوم صوبہ دار کشمیر کا قبرستان بھی ہے۔ جہاں اُن کی دونوں والدہ اور چند ایک لواحقین مدفون ہیں۔ خانقاہ کی ڈیوڑھی کے اندر بابا خاکی کا مقبرہ بھی ہے جس کا ذکر اُوپر ہو چکا ہے۔ اور جو سب سے پہلے بیبیوں کے خادم ہوئے تھے اور جن کا انتقال ۱۰۰۰ھ ہجری میں ہوا تھا۔ سید جلال[1] الدین حیدر اور ان کے فرزند سید علم الدین اور نبیرہ زین العابدین کی قبریں بھی اسی قبرستان میں ہیں۔ وفات آپ کی ۱۱ محرم ۱۰۱۶ھ ہجری کو ہوئی تھی۔ اور مقبرہ کی تعمیر کا زمانہ عہد اکبری اور مقبروں کی تعمیر حسب الحکم اکبر بادشاہ بیان کی جاتی ہے۔ اسی قبرستان میں بی بی حلیمہ المشہور بیوی تنوری کی قبر بھی ہے جو حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کی اولاد اور حضرت مسعود قریبی کی صاحبزادی بیان کی جاتی ہے۔ بی بی حلیمہ حضرات بیبیاں کی روٹی پکایا کرتی تھی۔ یہ بی بی بھی مظلوم سیدانیوں کے ساتھ ہی آئی تھی۔ ۱۱۰ھ ہجری میں آپ کا انتقال ہوا۔ لاہور کے تمام نان پز یعنی نان بائی لوگ بی بی حلیمہ کو اپنا پیشوا اور پیر سمجھتے ہیں۔ اور اسی لیئے بی بی صاحبہ کا نام بیوی تنوری بھی مشہور ہے۔ نان پز لوگ جب کام پر بیٹھتے ہیں تو پہلے بیوی حلیمہ کا نام ضرور لے لیتے ہیں۔ بیوی صاحبان کا عرس بھی سالانہ ہوتا ہے۔ آج سے پچاس سال پہلے سجادہ نشین الہ دین اور عظیم شاہ تھے جو خاص شیخ عبداللہ المشہور بابا خاکی کی اولاد سے ہیں۔ اور جن کا سلسلہ تینتیس واسطوں سے حضرت بابا خاکی تک جا ملتا ہے۔ الہ دین اور عظیم شاہ کے زمانہ میں واگذار مزروعہ وغیرمزروعہ چالیس گھماؤں تھی۔ بہت سی زمین نمبرداران گڈھی شاہو نے بھی شاملات دیہ کر لی تھی۔

---

[1] سید صاحب حضرت موج دریا بخاری کے حقیقی بھائی تھے۔

طاہر بندگی

نام آپ کا شیخ طاہر تھا۔ حضرت لال کمال شاہ صاحب ساکن کیتھل آپ کو طاہر بندگی کے نام سے بلایا کرتے تھے۔ آپ اسی نام سے ہی مشہور ہوگئے۔ آپ لاہور کے محلہ شیخ اسحاق[1] میں رہا کرتے تھے۔ آپ حضرت شیخ احمد سرہندی کابلی مجدد الف ثانی کے مُرید تھے۔ اور اپنے مرشد کے ہر دو صاحبزادوں شیخ محمد معصوم اور شیخ احمد سعید کے اُستاد تھے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے ایک دن تمام مریدوں کو فرمایا کہ آج ہم کو بذریعہ الہام غیب معلوم ہؤا ہے کہ ہمارے مُریدوں میں سے ایک شخص کافر ہو جائیگا۔ تمام مریدوں نے دریافت کیا کہ یاحضرت وُہ کون بدبخت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وُہ مسلمان جو تھوڑے عرصہ کے بعد کافر ہو جائیگا شیخ طاہر ہے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد سرہند میں آپ ایک ہندو عورت پر عاشق ہوگئے اور عشق یہاں تک پہنچا کہ زنار پہن کر اور قشقہ لگا کر بُت خانہ میں جا بیٹھے۔ اور اس شعر کو بار بار پڑھا کرتے تھے ؎

کافرِ عشقم مسلمانی مرا در کار نیست
ہر رگِ من تار گشتہ حاجتِ زنار نیست

بت خانہ میں جا بیٹھنے کی وجہ یہ تھی کہ وُہ عورت ہمیشہ جبیں سائی کیلئے وہاں جایا کرتی تھی۔ جب یہ خبر حضرت مجدد کے صاحبزادوں کو ہوئی تو اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے اُستاد کو کفر کی ضلالت سے بچائیے۔ حضرت نے اُن کے حق میں دُعا کی۔ شیخ طاہر ہوش میں آگئے اور بُت خانہ سے دوڑتے ہوئے حضرت مجدد کی خدمت میں حاضر ہو کر توبہ کی۔ حضرت کی مُریدی نے آپ کو فقر کا وُہ درجہ عطا کیا کہ آپ کامل ولی ہوگئے۔ سرہند سے جب آپ لاہور تشریف لائے تو آپ کی شہرت دُور دُور تک پھیلی۔ آپ کسی سائل یا حاجتمند سے نذر نیاز یا نقد و جنس کچھ بھی نہ لیا کرتے تھے۔ آپ ہمیشہ کتب احادیث و تفسیر اپنے ہاتھ

[1] اب اس محلہ کی جگہ حویلی جمعدار خوشحال سنگھ اور موتی بازار اور چونہ منڈی آباد ہے۔

سے لکھ کر فروخت کیا کرتے تھے۔ اور جو آمدنی اس محنت شاقہ سے ہوتی تھی اُسی پر آپ بسر اوقات فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے سرہند سے لاہور آ کر چند عرائض حضرت مجدد کی خدمت میں لکھے تھے جو کتاب تذکرہ مجددیہ میں درج ہیں اُن میں سے ایک عرضی بجنسہ انہیں الفاظ میں درج کی جاتی ہے۔

حضرت من سلامت! احقر الخدمت محمد طاہر بعرض مے رساند کہ چوں از آستانہ علیا متوجہ لاہور شدم۔ در ہر قدمے با خود میگفتم کہ اے نادان! مقصود را گذاشتہ کجا میروی۔ اما از غیب ندائے آید کہ راہی شو۔ راہی شو۔ فی الجملہ کشاں کشاں بایں شہر آوردند و در گوشۂ مسجد حیراں نشستم۔ ناگاہ رُوح پُر فتوح حضرت خواجہ نقشبند ظاہر شد و باعث گشت کہ برائے کار یکہ مامور شدہ مشغول شو۔ امتثالاً للامر ہم داد۔ کم چند کس را مشغول ساختم۔ حالا مجلس گرم است مشائخان عالیشان فوج در فوج تشریف مے آرند۔ و الطاف کثیرہ مے فرمایند۔ خصوصاً رُوح حضرت خواجہ بزرگ یعنی حضرت خواجہ نقشبند و حضرت غوث الاعظم و حضرت خواجہ فرید گنج شکر در حلقہ مے کرد۔ نماز تشریف فرمائے شوند و جناب رسالت مآب با چند ہزار صحابہ و مشائخ تشریف آوردہ در مجلس مے نشیند و نوازشہائے مے فرمایند و در عشرہ اعتکاف خلعت خاص عنایت فرمودند۔ و حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہ الطاف بسیار فرمودند۔ بغایت خاصہ بنواختند و قبل ازیں ہر یک از نسبت ثلاثہ یعنی نقشبندیہ۔ قادریہ و چشتیہ نوبت بنوبت رو میداد و گاہے غالب و مغلوب مے بود ندیک نوبت نسبت چشتیہ غلبہ عظیم کرد۔ بحدیکہ از نسبت ہائے دیگر نا امید گشتم دریں ضمن نسبت نقشبندیہ غلبہ کرد و دیگر نسبتہا را زیر نمود و حالا ہر سہ نسبت ہائے کہ شدند و دریں ایام نسبت مشائخ کم است و نسبت اصحاب نبویہ زیادہ تر است و سوائے نسبت اصحاب نبویہ زیادہ تر است و سوائے نسبت اصحاب خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اکثر اوقات بندہ در نسبت حضرت پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم مے باشد و بسیار خوش می آید و مطلوب فقیر ہم غیر ازیں نیست کہ عین نسبت حضرت پیغمبر زیادتی و ترقی گیرد۔

وفات آپ کی بروز پنجشنبہ ہشتم ماہ محرم ۱۰۴۰ھ ہجری کو وقوع میں آئی

آپ کا مزار پُر انوار خطۂ میانی میں ہے جو لاہور کا اعظم ترین قبرستان ہے۔ اور جس میں ہزاروں بلکہ لاکھوں امیر غریب بچے بوڑھے جوان عورت و مرد اس قیامت کی نیند سوئے ہیں کہ جنہیں جاگنا حشر تک قسم ہے۔ مشہور ہے کہ آپ کے مزار کے اردگرد جسقدر قبور ہونگی۔ اُن سب پر رحمت آلہی نازل ہوگی۔ اسی لئے اکثر لوگ احاطہ کے اندر نہایت فخر اور عزت سے اپنے عزیز و اقارب کی قبروں کے لئے جگہ لیتے ہیں یہ بات بھی ابتدار سے مشہور چلی آتی ہے کہ چبوترہ مزار پُر انوار جس پر حضرت کی قبر ہے تابش آفتاب سے سردی تو سردی گرمی کے موسم میں بھی گرم نہیں ہوتا دُھوپ کیسی ہی شدت کی کیوں نہ ہو۔ یہ چبوترہ ہمیشہ سرد رہتا ہے۔

شاہ بلاول

حضرت کے جد امجد اور والدین ہرات سے ہمایوں بادشاہ کے ساتھ ہندوستان میں داخل ہوئے تھے۔ جب ہمایوں کی حکومت نے شیر شاہ سوری کے خاندان سے اپنی مملکت صاف کر لی اور ہمایونی ڈنکے چاروں طرف بجنے لگے تو آپ کے جد امجد شیخ عیسےٰ اور آپ کے والد شیخ عثمان نے ہمایوں سے وطن جانے کی اجازت مانگی مگر بادشاہ نے جو اُن کا معتقد تھا اجازت نہ دی۔ اور کمال مہربانی سے شیخوپورہ[1] کا علاقہ جس کا نام اُس زمانہ میں کچھ اور تھا معاش اور رہائش کے لئے عطا کر دیا۔ شیخوپورہ میں ایک دن حضرت شاہ بلاول بعالم طفولیت بعمر سات سال لڑکوں میں کھیل رہے تھے کہ ایک عورت بصد حسرت و سوز اُن کے پاس سے روتی ہوئی گذری۔ آپ نے اُس سے رونے کا سبب دریافت فرمایا۔ اُس نے کہا کہ اے بلاول میرا لڑکا جو تمہارے ساتھ کھیلا کرتا تھا آج مرگیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ مرا نہیں سوتا ہوگا چل مجھے دکھا تو سہی۔ عورت اُن کو اپنے گھر لے گئی۔ جب حضرت بلاول اپنے ساتھی کے سرہانے پہنچے تو فرمایا کہ اے دوست اٹھ یہ وقت کھیلنے کا وقت ہے یا

[1] یہ شیخوپورہ لاہور سے بجانب غرب بارہ کوس کے فاصلہ پر ہے ۱۲

سونے کا۔ خدا کی قدرت سے وُہ لڑکا آنکھیں ملتا ہؤا اُٹھ کھڑا ہؤا۔ جب یہ کرامت حضرت بلاول کی نزدیک و دُور مشہور ہوگئی تو آپ کے والد شیخ عثمان آپ کو لاہور میں درس تدریس کے لئے مسجد شیخ فتا میں لے آئے۔ جب آپ کو اُستاد نے بسم اللہ شریف پڑھا کر کہا کہ اب پڑھو الف۔ بے۔ تے۔ آپ نے سارا قاعدہ وہیں بیٹھے بیٹھے سُنا دیا۔ اور دُوسرے دن سارا قرآن شریف پڑھ دیا۔ اُستاد نے آپ کے والد سے کہا کہ یہ لڑکا تو بہت عمدہ پڑھتا ہے اور غالباً قرآن شریف تو آگے ہی پڑھا ہؤا ہے۔ شیخ عثمان نے کہا کہ ابھی تک اس نے ایک حرف بھی کہیں سے نہیں پڑھا۔ یہ سُنکر اُستاد بھی آپ کا ادب کرنے لگا۔ چھ مہینے میں آپ نے قرآن شریف حفظ کر لیا۔ کچھ عرصے کے بعد حضرت بلاول بیمار ہو گئے۔ اُن کے والد نے گلستان سے فال نکالی تو یہ شعر نکلا ؎

شخصے ہمہ شب بر سرِ بیمار گریست

چوں روز شد آں بمرد و بیمار بزیست

اس مضمون سے شیخ عثمان کو اپنی وفات اور حضرت بلاول کی صحت کا یقین ہو گیا چنانچہ کچھ دنوں کے بعد ایسا ہی ہؤا۔ آپ سے بہت سی کرامات مشہور ہوئیں۔ جن میں سے چند ایک کا بیان کیا جاتا ہے۔ ذکر ہے کہ آپ کے محلہ میں ایک غریب اور مفلس شخص کے گھر لڑکا پیدا ہؤا۔ مخنث اور نقال لوگ مُبارک بادی دینے کے لئے آئے۔ آپ نے اس غریب کی پردہ پوشی کے لئے ایک مٹی کا آفتابہ لیکر ایک دیوار پر زور سے مارا۔ اُس آفتابہ کے جس قدر ٹکڑے ہوئے خدا کی قدرت سے وُہ طلائی ہو گئے۔ جن کو نقال لوگ اُٹھا کر لے گئے۔ ایک دفعہ رات کو چور آیا۔ حضرت کے باورچی خانہ میں ہمیشہ اسباب شاہانہ اور لنگر موجود رہتا تھا۔ جب چور باورچی خانہ میں داخل ہؤا تو فوراً اندھا ہوگیا۔ اور اُسی حالت میں ایک کوٹھڑی میں جا چھپا۔ صبح کو جب بوقت چاشت تمام مسافر دل اور حاضرین نے روٹی کھالی تو آپ نے فرمایا کہ فلاں حجرہ میں جاؤ۔ وہاں ایک شخص بھُوکا بیٹھا ہے اُس کو بھی کھانا کھلادو۔ کھانے کے بعد اُس کو کچھ نقد بھی عطا فرمایا۔ چور نے شرمندہ ہو کر عرض کی کہ یا حضرت! مَیں چوری سے

تمام عمر کے لئے توبہ کرتا ہوں۔ خدا سے میری آنکھیں مجھے دلوا دیجئے۔ آپ نے دستِ شفقت اُس کی آنکھوں پر پھیرا جس سے وُہ فوراً بینا ہو گیا۔ آپ کا لنگرخانہ بہت بڑا ہوتا تھا۔ ہزاروں مسافر اور عام لوگ ایک ہی دسترخوان سے کھانا کھایا کرتے تھے۔ آپ خود ہمیشہ دائم الصوم اور قائم اللیل رہا کرتے تھے۔ ساگ چولائی سے آپ کو بڑی رغبت تھی اور بڑے شوق سے اُس کو تناول فرمایا کرتے تھے آپ متشرع بھی پرلے درجہ کے تھے۔ یہاں تک کہ تمباکو جیسے معمُولی نشہ سے بھی آپ کو سخت نفرت تھی۔ اور آپ کی محفل میں کوئی حقّہ نوش داخل نہ ہو سکتا تھا۔ نماز پنجگانہ باجماعت پڑھا کرتے تھے۔ لباس ہمیشہ فاخرہ پہنتے تھے۔ صبح سے گیارہ بجے تک آپ مراقبہ میں رہا کرتے۔ بعد ازاں تا دوپہر مریدوں اور خادموں اور زائرین سے ہم کلام رہتے تھے۔ بوقت زوال قدرے قیلولہ فرماتے پھر نماز ظہر کے بعد نماز عصر تک متوجہ بحق رہا کرتے۔ اس عرصہ میں صدہا نہیں بلکہ ہزارہا مخلوق بامید شفائے بیماراں حضرت کے پاس پانی دم کرانے کے لئے لاتی تھی۔ دو منشی ہمیشہ آپ کے پاس موجود رہتے تھے جو مظلوموں اور حاجتمندوں کی سفارشیں حکام اعلیٰ کی طرف لکھا کرتے تھے۔ ہر رقعہ کی لوح پر "اللہ بس ماسوائے اللہ ہوس" ضرور لکھا جاتا تھا۔ آپ کی سفارش ایسی کارگر ہوتی تھی کہ خونی مجرم بھی رہا ہو جایا کرتے تھے۔ شام کے وقت آپ پانی کے گھونٹ سے روزہ افطار کرتے۔ پھر نماز مغرب پڑھ کر خلوت میں جاتے۔ جہاں کسی کو آنے کی اجازت نہ تھی۔ خلوت میں چند رکعات نوافل ادا کرنے کے بعد ۹ بجے شب کے قریب دسترخوان پر آیا کرتے تھے۔ آپ کی پیدائش جہانگیر کے زمانہ اور وفات بعمر ۷۰ سال شب دوشنبہ ۸ ماہ شعبان ۱۰۴۰ھ ہجری کو بعہد شاہجہان واقعہ ہوئی۔ شاہ جہان بادشاہ نے حضرت کے مطبخ کا خرچ دیکھ کر بہت سا روپیہ نذر کیا۔ آپ نے نذر قبول فرما کر مہتمم مطبخ کو تمام روپیہ دے دیا۔ شاہ جہان نے بنظر استعجاب پُوچھا کہ یہ روپیہ حضرت میانمیر صاحب نے قبول نہیں فرمایا اور آپ نے فرمالیا۔ اس میں بھید کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حضرت میانمیر کلی صفات ہیں۔ دُنیا کی طرف اُن کی بالکل توجہ نہیں۔ ہم تو مساکین۔ مسافرین اور

درویشوں کی خدمت گذاری پر کمر باندھی ہوئی ہے۔ ہم کو البتہ ضرورت رہتی ہے۔
یہ جواب سُن کر شاہجہان پھر حضرت میاں میر کے پاس گیا اور اُن سے کہا کہ آپ نے
میری نذر قبول نہ فرمائی اور حضرت بلاول نے قبول فرمالی۔ اس کا کیا باعث ہے
آپ نے فرمایا کہ ولی کامل دریا کی مانند ہیں اور میں بیچارا ایک معمولی چھپڑ (جوہڑ)
ہوں۔ دریا میں اگر کوئی چیز پلید پڑ جائے تو دریا پلید نہیں ہوتا البتہ چھپڑ پلید
ہو جاتا ہے۔ شاہ جہان نے یہ جواب سُن کر سجدات شکر ادا کئے۔ کہ الحمد للہ
میرے زمانہ سلطنت میں بھی ایسے ایسے اولیائے کامل اور ہادیئے راہ طریقت
موجود ہیں۔ قبر آپ کی پہلے لب دریا واقعہ تھی۔ چنانچہ وہ جگہ اب تک شاہ
بلاول کا بن مشہور ہے۔ عرصہ اسّی سال کا ہوا ہے کہ آپ کی قبر کے پاس دریا
کا بہاؤ آ گیا تھا آخر صندوق حضرت کا وہاں سے نکلوا دیا گیا اور اُس مقام پر
دفن کیا گیا جو شالامار باغ کے قدیم رستہ کے شمال کی طرف اور باغ راجہ
دینا ناتھ کے مشرق کی طرف واقعہ ہے۔ ہر سال کی ۲۸ ماہ شعبان کو عرس حضرت
کا ہوتا ہے۔ سکھوں کے زمانہ میں عرس کے موقعہ پر لاہور کے شوقین لوگ
بہت سی آتش بازی چلایا کرتے تھے۔ اب بھی اگرچہ یہ رسم باقی ہے مگر بہت کم
آپ یہ دو اشعار عموماً پڑھا کرتے تھے ؎

زندگی بے بندگی شرمندگی است　　زندگی مقصود بہر بندگی است
راہ بنما بسوئے تحقیقم　　یا الٰہی بدہ تو توفیقم

دربس میاں وڈا کی مزار شاہ بلاول پر بھی ایک جنگ ۱۸۴۵ء میں ہوئی جس
میں سردار جیت سنگھ سندھا والیہ نے مہاراجہ شیر سنگھ اور اُس کے بیٹے کنور
پرتاب سنگھ کو جس کی عمر ابھی چودہ سال ہی کی تھی تہ تیغ بیدریغ کر ڈالا تھا۔
آپ مرید حضرت شیخ شمس الدین کے تھے جن کا سلسلہ مریدی نو واسطوں
سے حضرت غوث الاعظم تک جا ملتا ہے۔

سیّد جان محمّد حضوری

آپ کا مقبرہ موضع شاہو گڈھی سے بجانب غرب اور اُس سڑک سے جو میانمیر کو جاتی ہے بجانب جنوب واقعہ ہے۔ آپ کے جد امجد سید شمس العارفین غوری ولایت غور سے آکر لاہور میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔ حضوری کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جو کوئی حضرت رسالت پناہ رسُول صلعم کی زیارت کا خواستگار ہوتا تھا آپ اُس کا بازو پکڑ لیتے۔ اور اُس کو آنکھوں کے سامنے دربار نبوی سجا ہوا دکھا دیتے۔ آپ نے ہزاروں طالبان دیدار کو پیغمبر صلعم کی زیارت سے مشرف فرمایا۔ آپ کے دادا حضرت سید محمود اور والد حضرت سید شاہ نور اور بیٹے حضرت سید سرور دین بھی حضوری تھے۔ جو شخص مندرجہ بالا اولیائے کرام کے وسیلہ سے زیارت نبوی کرتا تھا وُہ ہمیشہ کے لئے لذات دنیوی کو ترک کر دیتا تھا۔

حضرت سید محمود اور حضرت سید جان محمد حضوری کا مزار ایک ہی چبوترہ پر ہے۔ سید محمود حضوری اپنے پوتے سید جان محمد حضوری سے کچھ کم مشہور نہ تھے مگر اُن کے کم شہرت حاصل کرنے کا باعث یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص عبدالصمد نام سوداگر نے جو حضرت جان محمد حضوری کا مرید تھا۔ یہ دونوں مقبر (مقبرہ حضرت سید محمُود و مقبرہ حضرت جان محمد) معہ مسجد متصلہ تعمیر کرائے چونکہ وُہ خادم حضرت میاں جان محمد کا تھا۔ اس لئے انہیں کے نام کو زیادہ شہرت ہو گئی۔ آپ کی وفات دہم ماہ رمضان ۱۰۹۴؁ھ ہجری کو واقعہ ہوئی۔ مزار کے گنبد پر یہ دو شعر لکھے ہوئے ہیں ؎

محمد جان حضوری بہشتی چو در ذات خدا شد محو مطلق
بگفتم از سر اکرام تاریخ محمد جان بہشتی واصل حق

حضرت کی اولاد کے پاس ایک فرمان عالمگیری اب تک موجود ہے جسکے مطابق ۵۵ بیگہ زمین موروعہ علاقہ بڑھی۔ شاہ پور مضافات صوبہ دار السلطنت لاہور عطا ہوئی تھی۔ اور اسی فرمان کی تائید میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بھی اہراہ

صفر المظفر سنہ ۱۲۱۴ ہجری کو ایک پروانہ عطا کیا تھا۔ فرمان عالمگیری کی نقل درج ذیل ہے۔

نقل فرمان عالمگیری

بسم اللہ[۱] الرحمن الرحیم

یا ایہا[۲] الناس اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم محی الدین اورنگ زیب بادشاہ۔

دریں وقت فرمان والاشان سعادت نشان شرف صدور یافت کہ موازی شصت و پنج بیگہ زمین افتادہ لائق زراعت خارج از جمع از لڈھی شاہ پور مضاف صوبہ پنجاب دار السلطنت لاہور از خریف انتائیل در وجہ مدد معاش مسمات نور خاتون[۳] وغیرہ بموجب ضمن مقرر باشد کہ حاصلات آنرا فصل بہ فصل و سال بسال صرف معیشت خودہا نمودہ بدعائے دولت ابد پیوند مواظبت مے نمودہ باشند۔ مے باید کہ حکام و عمال و جاگیرداران و کروڑیان حال و استقبال حکم والا مستمر دانستہ زمین مذکور را پیمودہ و چک بستہ بتصرف آنہا باز گذارند و اصلا تغیر و تبدل راہ بدان راہ ندہند و طلب مال و جہات و اخراجات مثل خلعہ و پیشکش و جریانہ و ضابطانہ و محصلانہ و مہرانہ و پیکانہ و دستکانہ و دہ نیمے مقدمی و جلادئے قانون گوئی و ضبط مرسلانہ بعد از تشخیص چک و تکرار زراعت و کل تکالیف دیوانی و مطالبات سلطانی مزاحمت نرسانند و دریں باب ہر سال سند مجدد نہ طلبند و اگر در محلے دیگر چیزے داشتہ باشد اعتبار نہ کنند۔ بتاریخ دوازدہم شہر ربیع الاول سنہ ۱۴۲ جلوس۔ اس عبارت کے نیچے یہ مہر بھی ہے۔

دیکھو صفحہ ۴۷

۱ بخط عربی شنجرف ۲ بخط طغرا برنگ سرخ ۳ زوجہ حضرت سید جان محمد حضوری کا نام ہے۔

اصل مالک و وارث اس مکان اور مزار کی حضرت کی اولاد اور خادم اس درگاہ کی آلہی بخش جاروب کش کی اولاد ہے۔

گھوڑے شاہ

ان کا اصلی نام محمد حفیظ المشہور جھولن شاہ ہے۔ مقبرہ آپ کا بخشی بھگت رام کے باغ سے بجانب شرق اور راجہ دینا ناتھ کے باغ سے بجانب غرب و مائل بجنوب واقع ہے۔ مقبرہ شالامار باغ کے قدیمی رستے میں شہر سے جاتے ہوئے دائیں طرف پر ہے آپ نے ایک سو تین سال کی عمر میں ۱۰ ماہ رجب ۱۱۴۶ھ ہجری کو جان جان آفرین کو سپرد کی اسی تاریخ کو حضرت کا عرس بھی ہوتا ہے۔ جس میں فقرا کا بھنڈارہ اور قوالیوں کی بھی کثرت ہوتی ہے۔ گھوڑے شاہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آپ کو گھوڑوں کے ساتھ بہت رغبت تھی۔ جب کسی کو کوئی فرمائش کرتے تھے تو گھوڑا ہی مانگتے تھے۔ ایک دفعہ ایک مرید لکڑی کا گھوڑا بنا کر حضرت کی نذر کو لایا۔ آپ نے حالت وجد میں آکر اس پر سواری کی۔ اور جلال میں آکر کہا کہ لے گھوڑے دوڑ۔ قدرت آلہی سے وہ گھوڑا دوڑ کر دور تک چلا گیا۔ اسی دن سے نام آپ کا گھوڑے شاہ مشہور ہو گیا۔ آپ اکثر شہر میں پھرا کرتے تھے۔ اسی اثنا میں لاہور کی ایک طوائف بنام سودان آپ کی مرید ہوئی۔ اس زمانہ میں یہ نواح جہاں اب مزار ہے۔ اسی طوائف کے نام پر چوہٹہ سودان مشہور تھا۔ اسی طوائف نے آپ کا مقبرہ بمعہ مسجد

جواب بنام مسجد گھوڑے شاہ مشہور ہے بنوا دیا تھا۔ حضرت کے چبوترہ کے دروازہ کے باہر بطرف شرق تین قبریں آپ کے مریدوں کی ہیں۔

پیر مکی

ٹکسالی اور بھاٹی دروازہ کے باہر اور گوروں کے قبرستان کے عقب میں مزار حضرت پیر مکی صاحب واقع ہے آپ کے مفصل حالات کہیں سے دستیاب نہیں ہو سکے مگر آپ کا مزار لاہور میں بہت مشہور ہے۔ کوئی آپ کو حضرت داتا گنج بخش کا استاد کہتا ہے کسی کا خیال ہے کہ آپ محمود غزنوی کے ساتھ لاہور میں داخل ہوئے تھے۔ کوئی کہتا ہے کہ جب زیب النساء (دختر شاہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر) کا باغ بننے لگا تھا تو یہاں بھی ایک دیوار بنانا چاہتے تھے مگر وہ کھڑی نہ ہو سکتی تھی۔ آخر انہوں نے یہ سوچ کر کہ یہ جگہ کسی فقیر کی ہو گی یہاں قبر بنا دی کتاب تذکرۃ الفقرا میں کوئی حضرت سعد الدین مکی ہیں انکی بابت یہ لکھا ہوا ہے کہ وہ مکہ معظمہ سے مزار حضرت داتا گنج بخش کی زیارت کیلئے لاہور میں آئے تھے اور چند سال معتکف رہکر یہاں ہی انتقال فرما گئے وہ زمانہ شاہ جہان کی بادشاہی کا تھا جسکے حکم سے آپ کا مقبرہ تعمیر کیا گیا۔ ممکن ہے کہ حضرت پیر مکی اور حضرت سعد الدین مکی ایک ہوں۔ تاریخ وفات حضرت مکی صاحب کی [illegible] ہجری ۱۲ ربیع الثانی بیان کی جاتی ہے۔ اسی تاریخ کو حضرت کا عرس بھی ہوتا ہے۔ جس میں بھنڈارہ کے علاوہ قوالی اور ناچ مجرا بھی ہوتا ہے حضرت شاہ جمال کی طرح یہاں بھی رات کو نہیں رہتے۔ کیونکہ رات کو یہاں سیاہ رنگ کے اژدہا سانپ چاروں طرف سے دکھائی دیتے ہیں میرے ایک معتبر دوست کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں کسی مقدمہ میں پھنس گیا تھا کامیابی کی صورت بظاہر محال تھی آخر میں نے خودکشی کرنے یا کسی طرف کو نکل جانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اسی اثناء میں میں نے سوچا کہ حضرت مکی صاحب کے مزار پر آج رات کو وظیفہ کرونگا بہتر

جب کچھ دنوں کے بعد جہانگیر نے وفات پائی تو حضرت بھی لاش کے ہمراہ لاہور تشریف لائے۔ اور یہیں رہنے لگے۔ جب شاہزادہ خرم تخت نشین ہوکر شاہجہان کے نام سے ملقب ہُوا اور لاہور کی سیر کو آیا تو نواب آصف جاہ کی معرفت بطور نذر ایک لاکھ شرخ ٹکہ حضرت کی خدمت میں بھیجا۔ جس کو حضرت نے بادشاہ اور نواب کے اصرار سے قبول کر کے کچھ تو لاہور ہی میں اپنی خانقاہ پر صرف کیا (جسکو انہوں نے اپنی زندگی ہی میں بنوالیا تھا) کچھ کشمیر کی مسجد اور خانقاہ کی مرمت وغیرہ کے لئے بھیجدیا اور باقی ماندہ محتاجین اور مستحقین کو تقسیم کر دیا۔ جب شاہجہان بادشاہ لاہور سے واپس ہُوئے تو حضرت کو بھی بادشاہ کے حکم سے اُن کے ہمراہ دہلی جانا پڑا۔ جہاں بادشاہ بیگم یعنی ملکہ زمانی حضرت کی مرید ہوئی۔ اور اکثر علمائے دہلی بوسیلہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی حضرت کی خدمت میں باریاب ہوکر علوم ظاہری و باطنی سے فیضیاب ہوئے۔ نواب وزیرخان کو (جس کی سب سے بڑی اور نامور یادگار لاہور کی مسجد وزیرخان ہے) صرف حضرت کی دُعا اور برکت سے ہی جلیل القدر مرتبہ نصیب ہُوا تھا۔

جب لاہور میں تشریف لائے تو نواب وزیرخاں جو اُنہیں کے طفیل سے لاہور کا صُوبے دار ہوا تھا۔ کمال عقیدت مندی سے پیش آیا۔ اسی زمانہ میں حضرت کا باغ اور مقبرہ بھی بیگم پورہ کے متصل (جہاں اب حضرت کا روضہ ہے) تعمیر ہوئے تھا اس لئے اُنہوں نے اپنی سکونت بھی اپنے باغ اور مقبرہ ہی میں رکھی اور اسی مقام پر دوازدہم ماہ شعبان المعظم سنہ ۱۰۵۲ہجری میں ملک بقا کی طرف کُوچ کیا۔

حضرت احکام شرع کے نہایت پابند تھے۔ اور اکثر اوقات مسئلہ وحدت وجودی کے متعلق حضرت میانمیر بالا پیر لاہوری کے ساتھ بذریعہ تحریر بحث مباحثہ کیا کرتے تھے۔ ہر جمعہ کو حضرت اپنی خانقاہ کی مسجد میں وعظ فرماتے۔ ہزاروں لوگ مستفید ہوتے اور بیسیوں غیر مذہب والے مشرف اسلام ہوکر مُرید ہوتے۔

حضرت لال حسین

پیدائش کی خاص تاریخ اور مہینہ تو کسی تاریخ سے نہیں مل سکا۔ البتہ مختلف تذکروں کے دیکھنے سے اس قدر ضرور معلوم ہوا ہے کہ آپ کی ولادت شاہنشاہ ہمایوں کے بعد ۹۴۵ھ ہجری میں خاص مخزن الفقرا شہر لاہور میں ہوئی تھی۔ جس کو اب پونے تین سو سال سے کچھ زیادہ عرصہ ہو چکا ہے۔ آپ شیخ نومسلم تھے۔ جیسا کہ کتاب حقیقۃ الفقرا میں حضرت مادھو کے خاص مقبول خادم شیخ پیر محمد نے (جن کا دوسرا نام (تاریخی) شیخ محمود ہے) لکھا ہے۔ چونکہ شیخ پیر محمد انہیں کے زمانہ میں اور انہیں کے مریدوں میں تھے۔ اس لئے حقیقت الفقرا میں جو کچھ وہ لکھ گئے ہیں اُن کو حالات صادقہ کہنا چاہیئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت کا نام پہلے عام طور پر ڈھڈا حسین مشہور تھا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ننھیال کی طرف سے راجپوتوں کی ایک ذات ڈھڈا کے خاندان سے تھے۔ باپ کی جانب سے آپ کلسرائی تھے۔ کلسرائی کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے۔ کہ آپ کے بزرگوں میں جو شخص سب سے پہلے مسلمان ہوا تھا اُس کا نام کلسرائی تھا۔ مسلمان ہو کر وہ اپنے زمانہ کا شیخ الاسلام کہلایا۔ اور اُس کی تمام اولاد کلسرائی کے نام سے مشہور ہوئی آپ کے والد کا نام شیخ عثمان تھا۔ جنہوں نے محتاجی و تنگدستی کے باعث بافندگی کا پیشہ سیکھ کر ظالم پیٹ کی پرورش کی۔ شیخ پیر محمد صاحب نے حضرت لال حسین کا سن ولادت مندرجہ ذیل قطعہ میں منظوم کیا ہے ؎

چوں وجود مبارکش بجہاں — آمد از پردہ عدم بہ عیاں
بود آں سال در شمار عدد — چہل و پنج زیادہ بر نہ صد (۹۴۵)

خوش نصیب باپ نے سعادتمند اور خدا دوست بیٹے کا نام "حسین" رکھا۔ مگر حسین چونکہ نوجوانی میں گیروے اور سرخ رنگ کے کپڑے پہنا کرتے تھے۔ اس لئے "لال حسین" کے نام سے مشہور ہو گئے۔ جب مادھو کے ساتھ اُن کی محبت کمال درجہ تک پہنچ گئی اور جب دونوں عاشق معشوق یا پیر و مرید ایک ہی گورستان میں پہلو بہ پہلو دفن

کئے گئے۔ تو حضرت مادھو لال حسینؒ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ اب یہ غلط فہمی یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ اکثر لوگ مادھو لال حسین کو ایک ہی نام تصوّر کرتے ہیں۔ اور اصلی حقیقت اور کیفیت سے بالکل بے خبر ہیں۔

حضرت حسین جب تک کہ فنا فی اللہ اور عبودیت کو چھوڑ کر ربوبیت کو اختیار نہیں کر چکے تھے۔ نماز روزے کے سخت پابند تھے۔ وُہ ہر رات بلا ناغہ قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔ ایک وقت کی نماز تو کجا اُنہوں نے کبھی تہجد اور اشراق تک قضا نہیں ہونے دی تھی۔ ہر رات قرآن شریف پڑھنے کے علاوہ وُہ داتا گنج بخش کے روضہ مُبارک پر ہر صبح سے دوپہر تک قرآن شریف ختم کیا کرتے تھے۔ نماز عصر کے بعد جب تک کہ نماز مغرب اور عشا کا وقت نہ آجاتا وُہ ورد و وظائف میں مشغول رہا کرتے۔ کبھی کبھی مسجدوں اور مکتبوں میں بھی جا کر مستفیض ہوا کرتے تھے۔ شیخ سعد السہا نامی ایک معلم سے علم تفاسیر پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ تفسیر مدارک کے سبق میں ایک آیت توحید اس مضمون کی آئی کہ دُنیا کی زندگی بے اعتماد اور لہو و لعب ہے۔ آپ نے اُستاد سے سوال کیا اس حل معنی میں حال درکار ہے نہ قال۔ خدا نے جو دُنیائے فانی کی زندگی کو لہو و لعب کہا ہے اس سے کیا مراد ہے۔ اُستاد نے کہا مفسرین کا جو مطلب اس لہو و لعب سے ہے وُہ تم نہیں سمجھ سکتے۔ حضرت حسین نے کہا جب علم کے ساتھ حسن عمل عطا نہ ہو تو اس علم سے ناچنا کودنا بہتر ہے۔ خدا نے دُنیا کی زندگانی کو جو لہو و لعب کہا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ سب مخلوق اُس کی لہو و لعب ہے۔ پس مجھے لازم ہے کہ لہو و لعب کروں ایسا نہ ہو کہ خدا کے حکم سے انحراف ہو۔ اُستاد تو خاموش رہ گیا مگر حضرت حسین اُچھلتے کودتے اور ناچتے ہوئے مدرسہ سے باہر نکل گئے۔

کتاب بہاریہ میں لکھا ہے کہ مدرسہ کے باہر ایک کنواں تھا۔ حضرت حسین نے اُس میں تفسیر مدارک پھینک دی۔ طالب علم اُن کی اس حرکت سے ناراض ہوئے اور اُنکو سخت ملامت کرنے لگے۔ حضرت حسین نے کہا کہ میں اس کتاب سے درگزرا۔ تمہارے مصرف کی ہے تو تم کو نکلوا دیتا ہوں۔ یہ کہتے ہی کنوئیں کے پانی کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے پانی ہمارے یاران جانی ہماری اس حرکت سے خفا ہو گئے ہیں کتاب ہماری واپس دے دے۔ خدا کی قدرت سے کتاب بجنسہٖ خشک آب نارسیدہ کنوئیں

سے باہر آگئی۔ طالب علم یہ دیکھ کر آئینہ کی طرح حیران رہ گئے اور چند ہی دنوں میں حسین فقیر کامل مشہور ہوگیا۔ ۹۱۰ ہجری میں بعمر ۲۶ سال آپ نے طریقہ ملامیتہ اس غرض سے اختیار کیا کہ لوگ ہم سے نفرت کریں اور ہم بفراغت تمام یادِ الٰہی میں مشغول رہیں۔ اسی سنہ میں آپ نے ریش مبارک منڈوا ڈالی اور بجائے قرآن شریف علمی تذکروں اور ورد وظائف کے رات دن شراب کے دَور اُڑنے لگے۔ اور مکتبوں کی بجائے میخانوں کی رہائش پسند آنے لگی۔ چنگ ورباب سے دل خوش کرتے اور شبانہ روز عیش وطرب میں بسر کردیتے۔ جب حضرت بہلول کو حضرت حسین کی ان حرکات کی اطلاع ہوئی تو وہ فوراً لاہور تشریف لائے۔ حضرت حسین کو اہل بصیرت کی نظروں سے دیکھا اور جب اُن کی چشم تحقیق نے معلوم کیا کہ وہ بحق واصل ہیں تو اُن کی تسلی ہوگئی۔ اور اُن کو اسی حالت میں چھوڑ کر واپس چلے گئے۔ اس واقعہ کے دو سال بعد حضرت شیخ بہلول ملک جاودانی کی طرف کوچ کر گئے۔

حسّو تیلی ایک بزرگ کامل اور صاحب کشف وکرامت تھے۔ اوائل میں گندم فروشی کا کام کرتے تھے۔ حضرت شاہ جمال کے فیض صحبت سے اپنی عاقبت سنوار لی۔ کچھ عرصہ کے بعد تیل بیچنا شروع کیا۔ اور اُس وقت سے حسّو تیلی کے نام سے مشہور ہوگئے۔ دوکان اُن کی چوک جھنڈا (موری دروازہ) میں تھی۔ حضرت لال حسین ہمیشہ اسی رستہ سے داتا گنج بخشؒ کے مزار پُر انوار پر جایا کرتے تھے۔ جب حسّو تیلی کی دوکان کے نزدیک پہنچتے تو معمول سے زیادہ شور وغل کرتے اور اُچھلتے کودتے سیر العارفین میں لکھا ہے۔ کہ ایک روز حضرت حسّو تیلی نے حضرت لال حسین کو فرمایا تمھیں دربار نبوی میں تو دیکھا نہیں۔ یہ شور وغل اور اچھل کود کس شیخی پر کرتے ہو۔ حضرت لال حسین نے بات تو سُن لی مگر اُس کا جواب نہ دیا۔ اور اپنے اسی سرور میں مست چلے گئے۔

بزم نبوی سجی ہوئی ہے۔ عارف باللہ اولیاء اللہ اور اصحاب کے درمیان سرور کائنات فخر دوجہاں حضرت رسُول مقبول رونق افروز ہیں۔ تمام نورانی چہرے شمع نوبالائے طاق شمس وقمر کی روشنی کو ماند کر رہے ہیں۔

معرفت کی باتیں شروع ہیں۔ شیخ سعدی رسول مقبول کو چنور کر رہے ہیں اور

حضرت شیخ حسّو تیلی اُن کے پاس کھڑے ہیں۔ اسی اثنا میں ایک چھوٹا سا خوبصورت لڑکا حضرت کی گود میں آتا ہے حضرت اُس کو پیار کرتے ہیں۔ پھر وہ لڑکا تمام فقیروں ولیوں اور حضرت کے چار یاروں سے پیار اور دُعائیں لیتا ہُوا شیخ حسّو تیلی کی گود میں آتا ہے اور بچوں کی علوت کے مطابق اُن کی ڈاڑھی کے چند بال نوچ لیتا ہے مجلس برخاست ہو جاتی ہے۔ لال حسین پھر ایک روز شور و غل مچاتے چوک جھنڈا سے گذرتے ہیں۔ حسّو تیلی پھر اُن کو ملتے ہیں اور کہتے ہیں "تمہیں اپنی فقیری اور ولایت کا دعوےٰ بہت کچھ ہے۔ مگر بات جب ہے کہ دربارِ نبوی میں رسائی حاصل کرو"۔ حضرت حسین نے کہا "شیخ صاحب آپ مجھے بلاوجہ ٹوکتے ہیں (ہاتھ سے اشارہ کر کے) ذرا ادھر آئیے"۔ جب شیخ حسّو تیلی اُن کے پاس آئے تو حضرت حسین نے اُن کو ڈاڑھی کے وُہی بال دکھائے۔ شیخ حسّو تیلی نے پہچان کر کہا۔ بے شک تمہیں تھے جو حضرت کی گود میں بیٹھے تھے۔ مگر آخر معصوم بچہ بنکر ہمیں زک پہنچائی۔ بات جب تھی کہ جب اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہوتے۔ یہ کہہ کر حسّو تیلی نے لال حسین کو گلے لگا لیا اور فرطِ محبت اور جوش میں باآوازِ بلند۔ حسّو حسین۔ حسین حسّو کے نعرے مارنے لگے۔

حضرت حسین علیہ الرحمتہ بروز جمعہ بتاریخ ذی الحجہ جمادی الثانی ۱۰۰۸ ہجری میں شاہنشاہ اکبر کی وفات سے ۷ برس پہلے انتقال فرما گئے۔ وفات کی کیفیت صاحب حقیقت الفقراء نے اس طرح لکھی ہے کہ آپ یاروں کے ہمراہ ایک روز کشتی پر سوار دریائے (راوی) کی سیر کر رہے تھے۔ ایک موقعہ پر ایک ریگستان نظر آیا کشتیبان کو اشارہ کیا اُس نے وہاں اُتار دیا۔ آپ نے تیر و کمان سے دل بہلانے کا ارادہ کیا۔ دو چار تیر چلائے بھی مگر پھر دفعتہً دل میں ایک خیال آ گیا۔ چنانچہ اپنے ہمراہیوں سے مخاطب ہو کر بولے۔ دوستو! جب کوئی دوست حقیقی اپنے دوست کو اپنے پاس بلائے تو کیا کرنا چاہیئے۔ مجمع احباب نے جواب دیا کہ اُسے سو کام چھوڑ کر اپنے حقیقی دوست کا کہنا ماننا چاہیئے۔ یہ سُنکر آپ نے فرمایا۔ اے بزمِ احباب (اپنی طرف اشارہ کر کے) یہ شمعِ انجمن اب بجھنے کو ہے۔ یعنی ہمیں جنابِ الٰہی اپنے وصال میں طلب فرماتے ہیں۔ یہ کہہ کر بقول صاحب حقیقت الفقراء

برسماں ریگ گستر ید ردا | بر ردا خفت و داد جاں بخدا
وقت جان دادن از دلش ناگاہ | نالہ آمد بروں کہ حق آلہ
چوں حق آلہ گفت جاں بسپرد | بادہ وصل الیہ خورد

وفات کے وقت آپ کی ترسیٹھ سال کی عمر تھی۔ جیسا کہ سطور ذیل سے معلوم ہوگا۔ دس سال کی عمر میں آپ کو پیر کامل ملا۔ چھبیس سال تک آپ بدرجہ کمال زاہد عابد رہے۔ ستائیس سال آپ نے رندانہ اور مستانہ زندگی بسر کی۔ اور اس کے بعد جام عمر لبریز ہو گیا۔ حضرت کی وفات کے بعد سر دفتر حلقۂ درویشاں حضرت مادھو سجادہ نشین ہوئے

حضرت شیخ[۱] مادھو

حضرت لال حسین اپنی جھونپڑی میں یاران دلنواز کے ساتھ رنگ رلیوں میں مست ہیں۔ ایک خوبصورت لڑکا جس کی پیشانی سے فراست ولیاقت کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ قیمتی لباس پہنے بصد آرائش وزیبائش حضرت کی جھونپڑی کے آگے گھوڑا دوڑاتا ہوا نکل گیا۔ آپ نے دوستوں سے اس غارت گر دین و ایمان کا نام ونشان پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ یا حضرت یہ شاہدرہ کے ایک امیر برہمن کا لڑکا ہے۔ نام اس کا مادھو ہے۔ لال حسین مادھو کی ہوشربا صورت دیکھ کر دل وجان سے فریفتہ ہو گئے۔ اور چند دنوں میں ہی یہ نوبت ہو گئی کہ جب تک اپنے مطلوب کی صورت نہ دیکھ لیتے چین نہ آتا۔ آپ اکثر دفعہ رات کے وقت بھی اس کے مکان کے اردگرد طواف کیا کرتے۔ مادھو اور اس کی بیوی رات کو جو کچھ گفتگو کرتے دن کو تمام قصبہ میں اس کا چرچا ہو جاتا ہے۔ لال حسین مادھو کے عشق میں دور تک بدنام ہو گئے۔ مگر انہیں اس امر کی کچھ پرواہ نہ تھی۔ باوجود اس قدر اظہار محبت کے بھی مادھو کے پتھر دل پر کچھ اثر نہ ہوا۔ کچھ عرصہ حسین نے بہت ہی حزن وملال اور رنج والم میں بسر کیا۔ آخر کار دل را بدل رہیست در ایں گنبد سپہر کے مطابق اس

۱؎ مفصل حالات کے لئے دیکھو تاریخ شالامار باغ لاہور مصنفہ راقم۔

کافر بچّے کے دل میں بھی حضرت کی آتش عشق نے چنگاری پھونک دی۔ جس طرح لال حسین کو مادھو کا درشن کئے بغیر کھانا، پینا اور سونا حرام ہو جاتا تھا۔ اب وہی حال بغیر لال حسین کے دیکھنے کے مادھو کو پیش آتا تھا۔ صرف یہی نہیں کہ لال حسین کے دیدار سے ہی دل کو خوش کرتا۔ بلکہ اُس کے ساتھ شراب نوشی میں بھی مشغول ہُوا کرتا۔

جب مادھو کے والدین نے اپنے لڑکے کی یہ کیفیت تو سخت فکر دامنگیر ہُوئی اور وُہ حسین سے مادھو رام کا تعلق توڑ دینے کے درپے ہُوئے۔ چنانچہ اُنہوں نے ارادہ کیا کہ جب حسین اور مادھو اکٹھے نظر آئیں، تو حسین کو شہید کر دیا جائے۔ جب مادھو اور حضرت لال حسین بمعہ یاران مجلس اکٹھے ہوتے۔ اور مادھو کے والدین کو اس امر کی اطلاع ہو جاتی تو وُہ گاؤں کا گاؤں وہاں اپنے ہمراہ لیکر حضرت حسین کے قتل اور جنگ و جدل کو آتے۔ مگر خدا کی قدرت کہ جوں جوں وُہ حضرت لال حسین کی جھونپڑی کے نزدیک آتے اس کی چار دیواری بلند ہو جاتی۔ یہانتک کہ وُہ مجبور ہو کر واپس چلے جاتے۔

حضرت مادھو کو مسلمان تو اُسی وقت سے سمجھنا چاہیئے۔ جب سے اُنہوں نے اپنے پیر و مرشد اور عاشق صادق حضرت لال حسین کا دامن پکڑا۔ مگر دُنیاداروں کے خیال اور والدین کے ڈر کے باعث وُہ ابھی تک علانیہ مسلمان نہیں ہُوا تھا۔ ایک دن حضرت لال حسین نے فرمایا۔ مادھو تیرے لواحقوں کی محبّت و الفت چند روزہ ہے۔ اور ہماری تمہاری محبّت نہ صرف دُنیا ہی میں رہے گی۔ بلکہ دُوسرے جہان میں بھی ہم ایک دُوسرے کے طالب و مطلوب ہونگے۔ اسی معمُولی سی بات نے مادھو کے دل پر بہت کچھ اثر کیا۔ اور وُہ مسلمان ہونے کے لیئے تیار ہو گیا۔ اُسکے والدین کو بھی کسی طرح خبر ہو گئی۔ وُہ بہت مضطرب الحال ہُوئے۔ کہ ہماری عزّت و آبرو کو تو بدنامی کا داغ لگنا تھا لگ چکا۔ اب لڑکا اور اُس کا دھرم بھی ہاتھ سے جاتا ہے۔ اُنہوں نے دریائے گنگا میں نہانے کا بہانہ کر کے اُس کو ہردوار لیجانا چاہا۔ مادھو نے لال حسین سے عرض کیا کہ یا حضرت میرے والدین گنگا میں نہانے کے لئے چلے ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں بھی یہ ثواب عظیم حاصل کر لوں۔ لال حسین کو صدمہ فرقت اُٹھانے کی کہاں تاب تھی اجازت نہ دی۔ مگر جب مادھو

نے بہت اصرار کیا تو اُنہیں بھی ع سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے کے مطابق منظور کرنا پڑا۔ ہاں اتنا وعدہ کرا لیا کہ تمہارے والدین چلے جائیں۔ تم میرے پاس رہو میں تم کو اُسی دن جس دن تمہارے والدین دریائے گنگا میں غسل کر رہے ہونگے وہاں پہنچا دُونگا۔ جب مادھو کے والدین کو یہ حال معلوم ہوا تو وُہ بیچارے پھر شش و پنج میں پڑ گئے۔ مگر آخر دو چار دن کے توقف کے بعد راضی ہو گئے۔ جب مادھو کے والدین ہردوار پہنچے تو فقیر نے اُس سے کہا کہ میرے قدم پر قدم رکھ کر آنکھیں بند کر لو۔ زمین پر پیر مارو اور پھر آنکھیں کھول دو۔ مادھو نے اُن کی ہدایات پر عمل کرنے کے بعد جب آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو ہردوار کی سرزمین پر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ حضرت لال حسین کی سب سے پہلی یہی کرامت تھی جس نے ہندوؤں کے دلوں پر خصوصیت سے اثر کیا۔ مادھو تو پہلے ہی حضرت کا معتقد تھا مگر اب اُس کے والدین کے علاوہ ہردوار کے اور بھی بہت سے ہندو حسین کے معتقد ہو گئے۔ ہردوار کی واپسی پر مادھو بصدقِ دل علانیہ مسلمان ہونے کے تیار ہو گیا۔ جب اپنے طالب صادق سے اُس نے یہ ارادہ ظاہر کیا تو وُہ بہت ہی خوش ہوا۔ اپنے ہاتھ سے اُس کو شراب پلائی۔ کفر کی کدورت اُس کے دل سے دُور کی اور استغنا توکل اور فقر کا جھاڑو پھیر کر اس کے دل کو دُنیا کی آلائشوں سے صاف کیا۔ یہ سنہ ۱۰۰۰ھ کا واقعہ ہے۔ جبکہ مادھو کی عمر صرف اٹھارہ سال کی تھی۔

مادھو کو اس کے ہم عمر اور گاؤں کے دُوسرے آدمی اپنی کم فہمی اور جاہلیت کے باعث اکثر لعن طعن کیا کرتے تھے۔ اکثر ہندو موقع پا کر مادھو کو مارنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ حضرت مادھو تنگ ہُوئے اُنھوں نے لال حسین سے شکایت کی۔ اس اثناء میں راجہ مان سنگھ لاہور میں آ گیا۔ لال حسین نے سنگِ جُدائی سینہ پر رکھ کر اپنے محبوب کو راجہ کی ملازمت میں شامل کرا کر دہلی بھجوا دیا۔ راجہ مان سنگھ کو اتنا تو معلوم تھا کہ حضرت لال حسین کا ایک مُرید میری ملازمت میں ہے۔ مگر وُہ اس کی قدر و منزلت سے محض بے خبر تھا۔ اس لئے مادھو کے حال پر کچھ توجہ نہ کیا کرتا تھا۔ جب راجہ مان سنگھ کو اکبر بادشاہ کے حکم سے مہم دکن پر جانا پڑا تو مادھو بھی اُن کے ساتھ تھے۔ لڑائی

اس زور سے شروع ہوئی کہ تیروں اور تلواروں پر نوبت پہنچ گئی۔ دشمن کی طاقت زبردست تھی۔ راجہ مان سنگھ کے چھکے چھوٹ گئے۔ اور فوج بھاگنے پرمستعد ہوگئی دونوں فوجیں سورج نکلنے کے ساتھ ہی خون کے دریا بہا رہی تھیں۔ اب شام کا وقت آگیا تھا۔ ظلمت نے چاروں طرف اپنا سکہ بٹھا دیا۔ اور لڑائی کل پر ملتوی کی گئی۔ راجہ دل شکستہ بیٹھا ہوا تھا۔ رنج وغم اور یاس والم نے گھیرا ہوا تھا۔ کہ فوراً دل میں ایک خیال آیا۔ حکم دیا کہ مادھو کو بلاؤ۔ جب مادھو آیا تو راجہ نے کہا۔ اگر تو فقیر ہے تو اس وقت میری مدد کر کہ میرا بہت بُرا حال ہے۔ مادھو نے خلوت میں بزور باطن اپنے پیرو مرشد کو یاد کیا۔ حضرت لال حسین اس وقت شراب نوشی اور عیش وطرب میں مشغول تھے۔ یکایک سنبھل گئے۔ اور یاران حاضرین سے فرمایا تم یہاں بیٹھو ہم ابھی آتے ہیں۔ حقیقت الفقراء میں لکھا ہے کہ آپ بزور کرامت ملک دکن میں حضرت مادھو کے پاس جا پہنچے اور کہا پیارے کیا حکم ہے کس لئے ہم کو یاد کیا ہے۔ حضرت مادھو نے تمام حال عرض کیا۔ لال حسین نے کہا راجہ سے کہدو کہ کل صبح لڑائی شروع کردے اور نظر آسمان کی طرف رکھے۔ مادھو نے راجہ سے اسی طرح کہا۔ اور جب راجہ نے لڑائی کے وقت آسمان کی طرف دیکھا تو اُسے معلوم ہوا کہ بے تعداد فقیر عدو کشی میں مشغول ہیں۔ اور بڑی جرأت اور ہمت سے داد مردانگی دے رہے ہیں۔ چند گھنٹوں کی لڑائی کے بعد دشمن شکست کے آثار دیکھ کر بے سروپا بھاگا۔ راجہ نے مادھو کے پاؤں پر اپنا سر رکھا۔ اور کہا کہ مجھے آپ کے صاحب کشف وکرامت ہونے کی خبر نہ تھی میں آج سے آپ کا مُرید ہوں۔ حضرت مادھو نے کہا جب تک تم ہمارے حال سے بے خبر تھے اُسی وقت تک ہمارا یہاں رہنا بھی مناسب تھا۔ اب ہمیں رخصت دو کہ اپنے پیرو مرشد کی خدمت میں حاضر ہونے کا افتخار حاصل کریں۔ پھر اگر وُہ اجازت دینگے تو تمہارے پاس آجائینگے۔ چنانچہ راجہ نے بادل ناخواستہ اُن کو رخصت کیا۔

آخرکار جب حضرت مادھو باغ عالم کی سیر سے سیر ہوگئے اور اپنے پیرو مرشد اور عاشق صدوق کی یاد دل میں ایک ٹیس اور کلیجہ میں درد پیدا کرنے لگی تو

ملک بقا کے سفر کی تیاری شروع کی۔ چنانچہ تہتر سال کی عمر میں حضرت لال حسین کی وفات کے اٹھتالیس سال بعد ۲۲ ماہ ذی الحجہ ۱۰۵۶ھ ہجری کو بروز دوشنبہ انتقال فرمایا۔ دوستوں۔ مریدوں اور معتقدوں نے بقول حضرت داغ ؔ سہ

ہو چکا چہلم بھی عاشق کا مگر

حکم ہے برسوں یونہیں ماتم رہے

واقعی کئی سال تک حضرت کی وفات حسرت آیات کا ماتم کیا۔ آپ ہم پہلوئے مزار حسین دفن کئے گئے۔

شاہانِ چغتائی میں سے جو بادشاہ لاہور آتا تھا وہ حضرت مادھو لال حسین کا روضہ ضرور دیکھتا تھا۔ نذریں چڑھاتا تھا۔ سرِ تسلیم خم کرتا تھا۔ اور مجاوروں اور سجادہ نشینوں کی ذات خاص کی بھی بہت کچھ پرورش کرتا تھا۔ ہند کے گذشتہ بادشاہانِ اسلام کے علاوہ نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی جیسے خونریز اور زبردست بادشاہ اِس خانقاہ پر سرِ نیاز جھکا کر کبر و غرور کی کمر توڑ گئے ہیں۔ ناظمانِ لاہور بھی دل و جان سے حضرت لال حسین کے مطیع اور معتقد تھے۔ اور ہمیشہ نذریں وغیرہ چڑھایا کرتے تھے۔ نواب زکریا خان المعروف نواب خان بہادر تو خصوصیت سے آپ کی خوارق عادت اور کرامات کا قایل تھا۔ اُس نے خانقاہ سے مغرب کی طرف ایک مسجد بنوائی تھی جو اب تک موجود ہے۔

معز الدین بن جہاندار شاہ جب اپنے بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کے خوف سے جان بچا اور تخت و تاج سے نا اُمید ہو کر لاہور میں حضرت کے مزار پر آیا تو اُس نے عہد کر لیا کہ اگر خداوند کریم مجھے بادشاہی پھر نصیب کر دے تو میں حضرت کے مزار پر سائبان بچوب ہائے طلائی اور روپیہ اور اشرفی سے دو بھری ہُوئی دیگیں نذر کروں گا۔ چنانچہ جب وُہ دوبارہ تخت نشین ہوا تو اُس نے دلی خلوص اور عقیدت مندی سے ایفائے وعدہ کیا جس سے حضرت کے مزار کا احاطہ اور چار دیواری حضرت بلاول کی سعی سے بہت عمدہ تیار ہو گئی۔

جب مہاراجہ رنجیت سنگھ کو حضرت مادھو لال حسین اور اُن کی کرامات وغیرہ کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ شاہانِ مغلیہ یہاں لاکھوں روپیوں تک نذر و نیاز

چڑھا گئے ہیں تو اس نے حکم دیا کہ ہر چند میں شاہانِ چغتائی کی برابری کے لائق نہیں تاہم حتی المقدور خانقاہ کی مرمت اور فقیروں اور سالانہ عرسوں کے خرچ اخراجات میں کافی امداد دیا کرونگا۔ چنانچہ شیر پنجاب نے مفصلہ ذیل معافیات واگزار کیں۔

(۱) چاہ موراں والا جس کی زمین ۲۲ عـــہ بیگہ ہے (۲) چاہ مان والا جس کی زمین ۲ عـــہ بیگہ ہے (۳) چاہ پہروالا جس کی زمین ۲۳ للعـــہ بیگہ ہے (۴) چاہ یکنم جس کی زمین کل ۲ عـــہ بیگہ ہے (۵) ضلع امرت سر میں ایک چاہ جس کی زمین عـــہ بیگہ ہے (۶) موضع فتح گڈھ ضلع لاہور میں ایک بیگہ زمین (۷) اٹاری ضلع امرتسر میں سات بیگہ زمین (۸) موضع کوٹ بیگم میں تین بیگہ زمین۔ ان کے علاوہ مہاراجہ خاص عرس اور بسنت کے دن بھی بہت کچھ امداد دیا کرتے تھے۔

غرض مہاراجہ رنجیت سنگھ سے لیکر مہاراجہ دلیپ سنگھ تک جس قدر راجے مہاراجے اور حاکم ہوئے حضرت مادھو لال حسین کے معتقد اور اپنے آپ کو اُن کے خادموں میں شمار کرتے تھے۔ شاہانِ مغلیہ سے سکھوں کے زمانہ تک تو مزار حسین کے سجادہ نشینوں کو علاوہ سالانہ عرس کے اور بھی بہت کچھ آمدنی ہو جاتی تھی۔ مگر سکھوں کی سلطنت کے زوال کے ساتھ ہی اُن کی آمدنی کو بھی زوال آ گیا۔

چنانچہ مولوی نور احمد صاحب تحقیقات چشتی میں (جس کو چھپے ہوئے ۲۶ سال کا عرصہ گذر چکا ہے) لکھتے ہیں۔ اس خانقاہ پر بیس پچیس فقیر رہتے ہیں۔ جو بالعموم گدائی کر کے اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ آمدنی کا یہ حال ہے کہ چراغ دان کا خرچ بمشکل چلتا ہے۔

عرس کی تاریخ حضرت لال حسین کی تاریخ وفات سے ایک سال بعد شروع ہوتی ہے۔ (جس کو اس وقت یعنی ۱۳۲۷ھ ہجری مطابق ۱۹۰۹ء میں) تین سو بارہ سال کا عرصہ ہو چکا ہے۔ پہلے حضرت کا عرس حساب قمری کے مطابق ہوتا تھا مگر اس خیال سے کہ مسلمانوں کے مہینے کبھی کسی موسم میں آجاتے ہیں اور کبھی کسی موسم میں۔ اور اس طرح زایرین اور مسافروں کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے

۱۸۶۲ء میں یہ قرار دیا گیا کہ عرس ہر سال کی بجائے ہر مارچ کے مہینے کی آخری تاریخ کو اتوار کے دن ہُوا کرے۔ کیونکہ ان دنوں میں موسم بہار کے سبب زائرین کو گرمی کی ناقابل برداشت تکلیف نہیں اُٹھانی پڑتی۔

یہ میلہ جو ہر سال مارچ کے آخری یکشنبہ کو لاہور میں باغبانپورہ کے متصل ہُوا کرتا ہے۔ اصل میں عرس مادھو لال حسین کا ایک ضمیمہ ہے۔ جو خانقاہ مذکورہ پر ایک رات پہلے منعقد ہوتا ہے۔ ہر سال اس موقعہ پر بیشمار آدمی جمع ہوتے ہیں اور مجھے افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ اس بے شمار مخلوق میں سے فیصدی پانچ بھی ایسے بمشکل نکلیں گے۔ جن کو یہ معلوم ہو کہ اس میلہ کی وجہ تسمیہ کیا ہے عرس مادھو لال حسین کا نام کیوں نہیں لیا جاتا۔ میلہ باغبانپورہ سے شالامار باغ میں کیوں چلا گیا؟ اور خود حضرت لال حسین اور شیخ مادھو کون تھے؟

ابتدا میں جو لوگ خانقاہ مادھو لال حسین پر بتقریب عرس آیا کرتے تھے۔ ان میں بہت سے ایسے ہوتے تھے جو عرس سے فارغ ہو کر سیدھے اپنے گھروں کو لوٹ جایا کرتے تھے۔ اور ان شوقین طبیعتوں کی بہت تھوڑی تعداد تھی جو بغرض سیر اور رفع تکان شالامار باغ کی سیر سے حظ اُٹھایا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ دستور یہاں تک رواج پا گیا کہ لوگ اصل غرض کو بھُول گئے۔ اور تمام رونق وغیرہ شالامار باغ میں ہی ہونے لگی۔

جن لوگوں نے اس غرض کو بھُلا دیا تھا اُن میں سے بہت کچھ چل بسے اور جو باقی ہیں وُہ چراغ سحری کی طرح مدھم سی روشنی دے رہے ہیں۔ ان کی آئندہ نسلوں کو نہ اصل راز ہی کا پتہ ہے اور نہ خیر سے دُوسرے مشاغل انہیں تحقیق و عبرت کا مادہ ہی حاصل کرنے دیتے ہیں۔ یہ بھی خدا بھلا کرے چند ایک مورخوں کا جنکے طفیل مٹے ہُوئے نقش اور فراموش شدہ یادگاریں روشنی میں آ گئی ہیں۔

چونکہ عُرس کی رات کو خانقاہ مادھو لال حسین پر چراغان کی روشنی ہُوا کرتی ہے۔ جس سے تمام دربار اور اس کا احاطہ جگمگ جگمگ کر اُٹھتا ہے۔ اس سے اس عُرس کا نام میلہ چراغاں مشہور ہو گیا ہے۔ اس رات کو سیر چراغان سے جو کیفیت اس مقام کی ہوتی ہے وُہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ رات کو دن کا

سماں نظر آتا ہے۔ لاہور اور امرتسر کی طوائفیں اپنی اپنی خوبصورتی اور خوش آوازی کے جوہر دکھا کر محفل کو کسی اور ہی رنگ میں لیجاتی ہیں۔ وحدت تصوف اور معرفت کی غزلیں گائی جاتی ہیں اور اہل بزم حال سے قال کی صورت میں آجاتے ہیں۔

داتا گنج بخش

نام آپ کا حضرت علی مخدوم ہجویری غزنوی جلالی اور مشہور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ حضرت کے والد کا نام حضرت عثمان ابن علی جلالی غزنوی ہے۔ آپ مرید حضرت شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی کے ہیں۔ مذہب آپ کا امام اعظم کوفی کے تابع اور سلسلہ آپ کا جنیدیہ ہے۔ ہجویر آپ کا اصل وطن ہے۔ جو شہر غزنی (افغانستان) کے ایک محلہ کا نام ہے۔ لاہور میں آپ اپنے پیر و مرشد کے اشارہ سے آئے تھے۔ جب آپ کو لاہور کا حکم ہوا تو آپ نے عرض کی۔ کہ وہاں میرے بھائی حضرت حسین زنجانی قطب لاہور موجود ہیں میری کیا ضرورت ہے۔ مگر آخر پیر صاحب کے اصرار پر آپ نے وطن کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہا اور ایک لمبے سفر کے بعد آپ لاہور پہنچے۔ یہاں آکر آپ کو اپنے لاہور آنے کی وجہ معلوم ہو گئی۔ یعنی آپ نے دیکھا کہ سامنے سے حضرت حسین زنجانی کا جنازہ آرہا ہے۔ آپ بھی شامل جنازہ اور شریک تجہیز و تکفین ہوئے۔ وہاں آپ نے ایک مسجد[ف] بصرف خود تعمیر کرائی۔ جس کی بابت دارا شکوہ نے سفینۃ الاولیا میں لکھا ہے کہ حضرت نے یہ مسجد تعمیر کرائی تو اس کے قبلہ کا رُخ ذرا سا مائل بطرف جنوب کر دیا۔ علمایانِ لاہور نے اس پہ اعتراض کیا۔ مگر جب مسجد تعمیر ہو گئی تو آپ نے کل علمایانِ لاہور کی دعوت و ضیافت کی اور امام ہو کر نماز پڑھائی۔ جب لاہور کے علماء و فضلاء نے دیکھا کہ قبلہ خود بخود ہی سیدھی طرف ہو گیا۔ یہ دیکھکر

ف موجودہ مسجد اسی مسجد کے آثار پر بنائی گئی ہے۔ قریباً ۳۴ سال (سنہ ۱۲۷۹ھ) کا عرصہ ہوا ہے کہ ایک شخص مسمی گلزار شاہ سادھو نے اس کو از سرِ نو تعمیر کیا تھا۔

انگشت بدندان ہو کر آپ کی کرامت کے قایل ہو گئے۔ روایت ہے کہ ۵۸۰ھ ہجری میں قطب الاقطاب غریب نواز حضرت معین الدین چشتی قدس اللہ سرہ العزیز حضرت کے مزار پر چلہ[1] کاٹنے کی غرض سے آئے۔ وُہ مکان جہاں شاہنشاہِ ہند حضرت خواجہ صاحب نے چلہ کاٹا تھا۔ اب تک حضرت کے مزار کے جنوب رویہ اندرون چار دیواری موجود ہے۔ حضرت خواجہ صاحب اس عبادت خانہ میں ایک مدت تک تشریف فرما رہے۔ آخر جب آپ کو اجمیر شریف کی روانگی کا حکم ہُوا تو آپ نے حضرت داتا صاحب کی پائینتی کی طرف دست بستہ کھڑے ہو کر یہ شعر پڑھا ؎

گنج بخش فیض عالم مظہر نورِ خدا ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

اُسی دن نہیں بلکہ اُسی گھڑی سے جبکہ خواجہ صاحب نے یہ شعر پڑھا حضرت کا نام "داتا گنج بخش" مشہور ہو گیا۔ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبِ ولایت اور عالی مرتبہ ولی اور بزرگ تر خدا دوست اور مقبول بارگاہِ ربّ قدیر ہونے کا یہیں سے اندازہ کر لینا چاہیئے کہ خواجہ معین الدین چشتی جیسے ولی کامل جن کے مشہور نام سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے۔ اور جن کے مزار پُرانوار پر اکثر شاہانِ سلف و خلف ننگے پاؤں جانا فخر سمجھتے ہیں۔ آپ کے مزار پر چلہ کاٹنے اور آپ کی رُوحِ پُر فتوح سے برکت حاصل کرنیکے حاجتمند تھے۔ دُور و نزدیک سے ہزارہا مخلوق زیارت اور حصُول مرادات کے لئے آتی ہے۔ جمعرات اور جمعہ کو تو ہمیشہ زائروں کا خاصہ ہجوم ہوتا ہے۔ عرس کے دن تو ایک خاص میلہ کہنا چاہیئے۔ بھاٹی دروازہ سے لیکر مزار پُرانوار کے پرے تک دوکانیں نہایت قرینہ سے لگ جاتی ہیں۔ اور قریباً ساری رات تک رونق یکساں ہی رہتی ہے۔ حضرت کی تاریخ وفات کے متعلق مورخوں میں ذرا سا اختلاف ہے۔ مُصنّف نفحات الانس ۴۶۵ھ ہجری میں

---

[1] چلّہ جس بزرگ کو کاٹنا منظور ہوتا ہے وُہ اس طرح کرتا ہے کہ ایک بند مکان میں عرصہ (غالباً ۴۰ یوم) بیٹھ کر خورد خواب اور عبادت آئی میں مشغول رہتا ہے۔ اور جس بزرگ یا ولی کامل کی قبر پر چلہ کاٹنا منظور ہوتا ہے اُس کی رُوح سے استمداد چاہی جاتی ہے۔

صاحب تذکرۃ الاصفیات ۱۰۶۳ھ ہجری۔ اور حضرت داراشکوہ (اورنگ زیب عالمگیر کے بڑے بھائی) سفینۃ الاولیا میں ۱۰۶۶ھ ہجری لکھتے ہیں۔ مگر خانقاہ کے اندرونی دروازہ پر مادۂ تاریخ سے ۱۰۶۵ ہجری معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ اصل شعر درج ذیل ہے ؎

چونکہ سردار ملک معنی بود
سالِ اصلش برآید از سردار

مفتی غلام سرور صاحب لاہوری اور مولوی احمد بخش صاحب یکدل کی تاریخوں سے بھی ۱۰۶۵ھ ہجری ہی مادہ تاریخ نکلتا ہے۔ یہ خانقاہ بیرون بھاٹی دروازہ رائے میلا رام کے کارخانہ کے (قریباً) عقب میں واقع ہے۔ اس مزار کے گرد عہد سکھاں سے پیشتر ایک بھاری قبرستان تھا۔ مگر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے حکم سے شہر خموشاں ویران کردیا گیا۔ تاہم اب بھی بہت سی قبریں باقی ہیں۔ مجاوروں کی جائے نشست کے ملحقہ چبوترہ پر میر مومن خاں نائب ناظم لاہور کی قبر ہے۔ بالمشافہ اس قبر کے ایک دالان نواب خان خانان کا بنایا ہوا موجود ہے۔ جو پہلے تو سنگ سیاہ کا تھا۔ مگر قریباً دو سو سال کا عرصہ ہوا۔ کہ یہ دالان ایک زلزلے کے صدمہ سے گر گیا تھا۔ بعد میں مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب کے زمانہ میں محمد خاںؒ (مختار ٹکسال سرکاری) نے اس کو خشتی بنوایا۔ چاہ۔ سبیل اور غسل خانہ پختہ کے پاس ایک دالان مسقف پختہ ہے۔ جس کو مہاراجہ کھڑک سنگھ کی رانی چند کور (والدہ نونہال سنگھ) نے سمت ۱۸۹۵ء میں بنوایا تھا۔ دروازہ کی چوکھٹ سفید سنگ مرمر کی ہے۔ جو اکبر بادشاہ نے بنوائی تھی۔ مگر بعد میں ایک دفعہ موراں طوائف محبوبہ مہاراجہ رنجیت سنگھ اور دوسری دفعہ مہر نشان (ایک طوائف) اور تیسری دفعہ نواب شیخ امام الدین صاحب صوبیدار کشمیر و رئیس لاہور نے سفیدی کرائی تھی۔ چار دیواری کی چھت بہت پرانی ہوگئی تھی۔ مگر اس کو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے نئے سرے سے تیار کرادیا۔

لہ اِس محمد خان مہتمم ٹکسال کی قبر بھی اسی احاطہ میں رانی چند کور والے دالان میں موجود ہے محمد خان ۱۲۳۷ھ ہجری میں فوت ہوا تھا ۱۲۔

جس دالان میں قرآن شریف رکھے ہوئے ہیں۔ وُہ ہیرا صاحب کنور نونہال سنگھ نے بنوایا تھا۔ یہ قرآن شریف بڑے بڑے اور عالیشان ہیں اور قلمی ہیں۔ تین چار سیپارے ایک شخص مشکل سے اُٹھا سکتا ہے۔ ہر ایک سیپارے کی جلد علیحدہ علیحدہ ہے۔ اور ہر ایک قرآن شریف ایک ایک صندوق میں بند ہے۔ ان میں سے ایک قرآن شریف تو موراں طوائف نے ۱۲۵۱ھ ہجری میں نذر کیا۔ اور ایک قرآن شریف جس کے ہر سیپارے کے اخیر پر الحمد للہ اور نام محمد ہادی المشتہر بمومن الملک علاؤ الدولہ جعفر خاں نصیری بہادر نصرت جنگ تحریر ہے نواب دکن کا نذر کیا ہوا ہے۔ یہ قرآن شریف ۱۱۳۰ھ ہجری میں نواب دکھن نے اپنے خاص قلم سے لکھ کر حضرت کے مزار پر روانہ کیا تھا۔ ایک قرآن شریف شیخ غلام محی الدین صاحب صوبیدار کشمیر یعنی نواب شیخ امام الدین مغفور کے باپ اور نواب غلام محبوب سُبحانی صاحب مرحوم کے دادا نے نذر کیا تھا۔ ایک قرآن شریف میاں صمدو تاجر کشمیری امرتسری اور ایک بخط ملتانی نواب ملتان کا نذر کردہ ہے۔ بعض قرآن شریف بہت پُرانے ہیں جن کی بابت کچھ معلوم نہیں کہ کہاں سے آئے۔ کس نے بھیجے اور کتنے عرصے کے ہیں۔ مزار گوہر بار چبوترہ سنگ مرمر سفید پر واقع ہے۔ مقبرہ مبارک پر ہمیشہ غلاف پڑا رہتا ہے۔ اس چبوترہ کے گرد ایک پنجرہ چوبی ہشت پہلو ہے جو میاں عوض خاں نیل بان مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ۱۲۴۰ھ ہجری میں بنوایا تھا۔ حضرت کے مزار کے پاس ہی دو اور قبریں ہیں۔ ایک شیخ احمد حمادی سرخسی کی اور ایک شیخ ابو سعید ہجویری کی۔ یہ دونوں آپ کے پیر بھائی آپ کے ساتھ ہی لاہور آگئے تھے۔ حضرت کا مزار سب سے پہلے سلطان محمود غزنوی کے برادر زادے ظہیر الدولہ سلطان ابراہیم بن سلطان مسعود غزنوی نے بنوایا تھا۔ اور چبوترہ اور تعویذ مزار اسی کے زمانہ کا ہے۔ بعہد مہاراجہ رنجیت سنگھ ایک ہزار روپیہ سالانہ مجاوروں کو ملتا تھا۔ مگر ۴۳ سال کا ذکر ہے کہ صرف ایک سو روپیہ سالانہ رہ گیا ہے۔ ایک کنواں اور کچھ زمین متفرقہ بھی واگذار ہے۔ اور بابت معافیات فرمان شاہی بھی موجود ہیں۔ مگر اب پوچھتا کون ہے۔ حضرت کے مجاوروں میں سے سب سے پہلا مجاور ہندو سے مسلمان ہوا تھا۔ جس کا نام خود حضرت نے

شیخ ہندی رکھا تھا۔ داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ صرف فقیر کامل ہی نہیں تھے۔ بلکہ صاحب علم و فضل اور صاحب تصنیف بھی تھے۔ آپ کی تصنیفات سے کشف المحجوب ایک مشہور اور علم تصوّف کی ایک نادر کتاب ہے۔

حضرت میاں میر[1]

حضرت کا مزار پُر انوار غرب رویہ سڑک چھاؤنی میاں میر جو ریلوے سٹیشن سے ہو کر جاتی ہے واقع ہے۔ آپ کے نام پر ایک چھوڑ دو موضع میاں میر ایک مشرقی اور ایک مغربی آباد ہیں۔ حضرت کے مفصل حالات کے لئے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ایک کتاب صرف حضرت میاں میر اور اُن کے خلفائے کے حالات میں بنام سکینۃ الاولیا حضرت داراشکوہ نے لکھی ہوئی ہے۔ اور جس کتاب سے حضرت کے یہ مختصر سے حالات اخذ کئے جاتے ہیں۔ اس میں بھی چالیس پچاس صفحوں پر صرف حضرت میاں میر بالا پیر کی کرامات اور اُن کے خاص خاص خلفا کے حالات درج ہیں۔ چونکہ یہاں اختصار مد نظر ہے اس لئے بطور خلاصہ حضرت کے حالات درج کئے جاتے ہیں۔ حضرت کا اصلی وطن و مولد شہر سیستان بیان کیا جاتا ہے۔ مگر عین عالم شباب یعنی ۲۰ سال کی عمر میں آپ لاہور تشریف لائے۔ اور تا دم وصال یہیں رہے۔ بقول حضرت ریاض

ریاض اس شہر سے ہم کیا کریں اب قصد جانے کا
نصیبوں میں لکھا ہے خاک گور کھ پور ہو جانا

حضرت کے تین اور بھائی بھی تھے۔ قاضی بولن۔ قاضی عثمان اور قاضی طاہر آپ کی پیدائش ۹۵۷ھ ہجری میں ہوئی۔ خاندان قادریہ میں آپ کامل اکمل اور شاہ ولایت فقیر ہو گذرے ہیں۔ لکھا ہے کہ حضرت نے ابتدائی تعلیم اپنی والدہ فاطمہ بنت

---

[1] حضرت کا مزار پہلے ایک باغ کی صورت میں تھا مگر عرصہ ۱۵۰ سال کا ہوا کہ مہدی شاہ سجادہ نشین نے حضرت کے نام پر ایک گاؤں آباد کر دیا۔ مہدی شاہ کی وفات ۱۲۹۸ھ ہجری میں ہوئی تھی۔

قاضی قادن) سے حاصل کی۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں عالم باخبر ہو گئے۔ پھر اپنی والدہ کی اجازت سے کسی مرشد کامل کی تلاش میں کوہستان سیستان میں پھرنے لگے۔ وہاں شیخ خضر سیستانی سے ملاقات کر کے بشرف بیعت سرفراز ہوئے جب حضرت تکمیل ولایت کو پہنچ گئے تو بحکم پیر روشن ضمیر لاہور روانہ ہوئے۔ حضرت تمام شب بیدار رہتے تھے اور حبس نفس یہانتک حاصل کیا تھا کہ اکثر ایک دم یا دو دم میں ہی تمام رات بسر کر دیتے تھے۔ البتہ جب آپ کی عمر اسی سال کی ہوئی اور ضعف غالب ہوا تو چار دموں میں رات بسر فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کے مشہور اور کامل خلفاء کے نام ذیل میں درج ہیں۔ جن پر خود حضرت میاں میر کو بھی ناز تھا (۱) حضرت ملا شاہ (جو حضرت دارا شکوہ کے پیر تھے) (۲) شیخ نتھا۔ (۳) شیخ اسمٰعیل (۴) میاں حامد قادری (۵) ملا عبد الغفور (۶) میراں شاہ سعید (ان کا مزار دھرم کوٹ متصل ڈیرہ بابا نانک موجود ہے) (۷) حضرت عبد الغنی (۸) حاجی صالح (۹) شیخ نعمت سرہندی۔ حضرت کی کرامات بے حد و حساب مشہور ہیں۔ جن میں سے بطور اختصار چند ایک درج کی جاتی ہیں۔ دارا شکوہ لکھتے ہیں کہ جب میں پہلے پہل اپنے والد شاہجہان کے ہمراہ حضرت کی خدمت میں بغرض دعائے صحت خود حاضر ہوا تو حضرت نے بادشاہ (یعنی شاہجہان) کی استدعا پر پانی دم کر کے مجھے پینے کو دیا۔ پانی پیتے ہی مجھے فوراً صحت ہو گئی حالانکہ میں ایسا بیمار تھا کہ اطباء میرے علاج سے عاجز آ گئے تھے۔ ایک دفعہ جہانگیر نے آگرہ سے ایک معتبر شاہی قاصد بھیج کر حضرت کو طلب کیا۔ حضرت وہاں گئے۔ جہانگیر کمال تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔ حضرت بہت سی نصائح دلپذیر فرماتے رہے۔ جہانگیر نے متاثر ہو کر عرض کیا۔ کہ ملک و دولت چھوڑ کر فقیر ہو جانے کو دل چاہتا ہے۔ آپ مجھے اپنا خادم کریں اور خدا کا راہ بتائیں۔ آپ نے فرمایا کہ تو خلق اللہ کی حفاظت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اوّل تم اپنی طرح کوئی اور شخص خیر خواہ خلق اللہ اور عادل و حلیم اور کریم النفس پیدا کر کے بادشاہ بناؤ۔ پھر تم کو فقیر کر لیں گے۔ اس تقریر سے جب جہانگیر کی تسلّی ہو گئی تو کہا کہ حضرت آپ کچھ طلب کریں۔ آپ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھ کو

رخصت دو۔ اور پھر کبھی ایسی (یعنی حاضر باشی کی) تکلیف نہ دو۔ جب حضرت میاںمیر واپس لاہور تشریف فرما ہوئے۔ تو شاہنشاہ جہانگیر نے دو عریضے بدست خاص آپ کی خدمت میں روانہ کئے۔ جن کو داراشکوہ نے اپنی کتاب میں بھی درج کیا ہے۔ حالانکہ یہ ایک جلیل القدر شاہنشاہ کی تحریر ایک فقیر کے نام ہے۔ اس لئے بطور یادگار ایک عریضہ درج کیا جاتا ہے۔ جہانگیر لکھتا ہے "بعد از عرض و نیاز مخلص حقیقی تمام اخلاص بموقف عرض میرساند کہ ؎

قالبم ایں جا و جاں در کوئے دوست

خلق را وہمے کہ جان در قالب است

خدا آں روز آرد کہ دولت قدمبوس حاصل کنم۔ فقط"

داراشکوہ حضرت کی ایک کرامت چشم دید ان الفاظ میں لکھتے ہیں کہ حضرت ایک دن باغ میں متوجہ بیاد آلہی تھے۔ ایک قمری درخت پر بیٹھی ہوئی ہو حق میں محو تھی۔ کہ ایک شکاری نے غلیلہ کا نشانہ لگا کر قمری کو نیست و نابود کر دیا۔ اور اپنی فتح یابی پر خوش خوش ٹہلنے لگا۔ حضرت نے مجھے حکم دیا کہ اس فاختہ جان یافتہ کو اٹھا لاؤ۔ میں نے حکم کی تعمیل کی آپ نے مُردہ قمری پر دست شفا پھیرا۔ اور وُہ زندہ ہو کر اُڑ گئی۔ اور اُسی طرح نغمہ زنی کرنے لگی۔ شکاری نے جانور کی آواز سُنکر پھر نشانہ مارنا چاہا۔ حضرت نے اس کو منع کیا۔ مگر وُہ باز نہ آیا یکایک شکاری کے بازو میں درد پیدا ہوا۔ غلیل زمین پر گر پڑی۔ اور وُہ بیخود ہو کر زمین پر تڑپنے لگا۔ حضرت نے فرمایا "دیکھا! بے زبان کو ستانے کا کیسا نتیجہ ہوتا ہے۔ شکاری نے عدم تعمیل ارشاد کی معافی چاہی۔ اور آئندہ کے لئے شکار سے توبہ کی۔ حضرت نے اُس کے بازو پر دست شفا پھیرا جس سے وُہ صحیح و تندرست ہو گیا۔ حضرت داراشکوہ سکینۃ الاولیا میں ارقام فرماتے ہیں۔ کہ حضرت کا خادم میاں نتھا بیان کرتا تھا کہ حضرت رات کو لب بام استراحت فرمایا کرتے تھے۔ رات کو میں آفتابہ اور بادکش حضرت کے بسترے پر رکھ کر چلا آتا تھا۔ ایک رات بادکش (پنکھا) تو رکھ آیا۔ مگر آفتابہ رکھنا یاد نہ رہا۔ آدھی رات کو خیال آیا اُسی وقت اُٹھا۔ اور پانی کا لوٹا۔

لے کر جب حضرت کے حجرہ کا دروازہ کھولا تو سخت حیرانی ہوئی۔ کیونکہ بستر خالی تھا اور حضرت وہاں فرد کش نہ تھے۔ آوازیں دیں کوئی جواب نہ ملا۔ آخر چراغ جلا کر خانقاہ کا کونہ کونہ ڈھونڈھ مارا۔ مگر حضرت کہیں نظر نہ آئے۔ مجبور ہو کر اپنی جگہ پر آکر لیٹ رہا۔ مگر بباعث تفکر نیند نہ آتی تھی۔ اب مجھے اس بات کی جستجو کی بڑی تمنا تھی کہ حضرت کس رستے سے اور کس وقت تشریف لاتے ہیں۔ میاں نتھا بیان کرتے ہیں کہ میں اسی تمنا میں تھا کہ رات گذر گئی۔ اور حضرت نے اپنے حجرہ سے آواز دیکر فرمایا کہ وضو کے واسطے پانی لاؤ میں پانی لے گیا اور رات کا تذکرہ چھیڑا۔ حضرت نے پہلے تو انکشافِ راز سے انکار فرمایا۔ مگر میرے اصرار پر اُنھوں نے فرمایا کہ ہم رات کو غار حرا (واقعہ مکہ معظمہ) میں جا کر عبادت الٰہی کرتے ہیں۔ اُس سرزمین کو یہ شرف حاصل ہے کہ اور جگہ کی عبادت یکسال اور وہاں کی عبادت یک ساعت برابر ہوتی ہے۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کو دربار صاحب امرتسر کی تیاری اور آرائش کا بہت شوق تھا۔ یہ شوق اس طرح پورا کیا گیا کہ لاہور میں جس قدر شاہی عمارتیں اور شاہی مقبرے تھے۔ سب کے پتھر از قسم سنگ مرمر۔ سنگ ابری۔ سنگ سرخ سنگ سیاہ وغیرہ بادشاہی مسجد۔ مقبرہ جہانگیر۔ مقبرہ آصف جاہ۔ مقبرہ نواب علی مردان خان۔ مقبرہ زیب النساء بیگم مخفی (دختر عالیہ عالمگیر) مقبرہ نور جہاں بیگم اور مختلف عمارتوں سے اُکھڑوا کر امرتسر بھجوائے گئے جب مقبرہ حضرت میاںمیر کی باری آئی تو مہاراجہ صاحب خود بہ نفس نفیس میاںمیر تشریف لائے۔ جب مقبرہ میں کھڑے ہو کر بیلداروں کو پتھر اُکھڑوانے کا حکم دیا تو ہوا خواہانِ دولت نے سمجھایا کہ حضرت میاںمیر بادشاہوں کے پیر ہو گذرے ہیں۔ آپ بھی بادشاہ ہیں ان کی بے ادبی نہ کریں۔ مہاراجہ صاحب نے کچھ پرواہ نہ کی۔ جب پتھر اُکھاڑنے کا حکم دے کر روضہ سے باہر نکلے اور گھوڑے پر سوار ہوئے تو خدا کی قدرت سے گھوڑا بے لگام ہو کر سیخ پا ہو گیا۔ یہاں تک کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ جیسا شہ زور

شہ سوار بے قابو ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اُسی وقت حضرت کے مقبرہ پر گیا اور گستاخی و بے ادبی کی معافی چاہی۔ پانسو روپیہ نذر چڑھایا۔ مقبرہ کی سفیدی کا حکم دیا اور مجاوروں کو بہت سی معافیاں اور جاگیریں دیں۔

مشہور ہے کہ حضرت میاں میر کا اصل نام شیخ محمد (فاروقی) تھا۔ آپ ایسے قابل فقیہہ تھے کہ کوئی ہمعصر عالم آپ کی برابری نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت کی والدہ بی بی فاطمہ اور ہمشیرہ بی بی جمال خاتون یہ دونوں عفیفہ بھی بڑی صاحب کمال تھیں۔ حضرت عموماً کہا کرتے تھے کہ "صوفی آں بود کہ نبود" جیسے کہ شیخ نتھا (مُرید خاص) "اصل میں" نہ تھا ہے۔ آپ اپنے مریدوں اور معتقدوں کو مُرید اور خادم نہیں سمجھا کرتے تھے۔ بلکہ ہمیشہ بمتابعت آنحضرت صلعم "یار اور دوست" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ اور یہ شعر اکثر ورد زبان رہتا تھا۔ ؎

شرط اوّل در طریق عاشقی دانی کہ چیست
ترک کردن ہر دو عالم را و پشت پا زدن

داراشکوہ لکھتے ہیں کہ ایک دن میں اور میرے والد شاہنشاہِ جہاں، حضرت کی خدمت میں جا رہے تھے کہ رستے میں قبلہ عالم نے فرمایا۔ کہ اگر پیر تمہارا کامل ہے۔ تو آج ہم کو بے موسم انگور تازہ کھلائے گا۔ جب ہم حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اپنے ایک خادم کو حکم دیا کہ اندر سے انگور کا خوانچہ اُٹھا لاؤ۔ جس کو ہم سب نے کھایا۔

میاں نتھا سے آپ کو بہت محبت تھی، اور وہ بھی اکثر حضرت کی خدمت میں حاضر رہا کرتے تھے۔ جب میاں نتھا نے ۱۰۳۷ھ ہجری میں انتقال کیا۔ تو حضرت میاں میر نے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ "فقیر کے فقیر خانے کو میاں نتھا لے گئے"۔ اور وصیت فرمائی کہ مجھ کو میرے دوست میاں نتھا کے پہلو میں دفن کرنا۔ چنانچہ حضرت بموجب وصیت وہیں دفن کئے گئے۔ شیخ نتھا سے بھی ہزارہا کرامات مشہور ہیں۔ اُن کو علم لدنی کا ماہر بیان کیا جاتا ہے۔ پتھر، درخت اور در و دیوار اور حیوان اور چرند و پرند میاں نتھا سے ہمکلام ہوا کرتے تھے۔ ذکر ہے کہ ایک دن ایک بوڑھے نے میاں نتھا سے کہا کہ اگر تو فلجی گال کر مجھ کو اس پر

ڈالے تو چاندی بن سکتی ہے۔ میاں نتھا کچھ متوجہ نہ ہوئے۔ جب آگے گئے تو ایک اور درخت بولا کہ اگر ذرا سا ٹکڑا میری لکڑی کا لیکر تو مس پر ڈالے تو سونا ہو جائے۔ میاں نتھا نے جناب آلہی میں بصد نیاز عرض کی کہ یا آلہی یہ تیری نباتاتی مخلوقات تیری راہ سے مجھ کو گمراہ کر رہی ہے۔ تجھے اپنے نام کا واسطہ ہے کہ آئندہ کے لیئے اُن کو حکم دے کہ کوئی درخت مجھ سے ہمکلام نہ ہُوا کرے ایک دن حضرت میانمیر نے شیخ نتھا سے پُوچھا کہ ان دنوں کہاں بیٹھ کے متوجہ بحق ہوتے ہو۔ آپ نے کہا کہ یا مولا پہلے تو متصل موضع اچھرا (من مضافات لاہور) میں عبادت آلہی کیا کرتا تھا۔ مگر وہاں تمام درختانِ خرما جو بالکل نزدیک تھے کبھی تسبیح سُبحان اللہ والحمد للہ اور جانوروں کی یاد حق کے شور و غل سے میرے شغل میں خلل پڑتا تھا۔ اس لئے اب وہاں سے اُٹھ کر ایک اور گوشہ میں جا بیٹھا ہوں۔ حضرت میانمیر نے حاضرین مجلس سے تبسم ہوکر فرمایا کہ "ہر بیند کار بسرے تا بکجا رسیدہ است و چہ حرف ہائے بلند از زبان میگوید"

حضرت دارا شکوہ اپنے پیر و مرشد حضرت ملا شاہ صاحب کے حالات میں لکھتے ہیں کہ ان کا اصل نام شاہ محمد لقب منجانب اللہ بالقاب لسان اللہ المشہور ملا شاہ تھا۔ حضرت ملا شاہ بعالم طفولیت و صغر سنی وارد کشمیر جنت نظیر ہوئے۔ اور تین برس تک وہاں رہ کر آگرہ میں پہنچے۔ یہاں ایک شخص کی زبانی حضرت میانمیر کی خوارق عادات و شہرت کا حال سُنکر لاہور تشریف لائے اور بیعت حاصل کی۔ دس برس تک آپ تحصیل علم ظاہر میں مصروف رہکر عالم کامل ہو گئے۔ آپ بھی حضرت میانمیر کی طرح شب بیدار اور مجرد اور تارک الدنیا تھے۔ آپ کا مقولہ تھا کہ "غسل احتلام بحالت خواب اور غسل جنابت بحالت قربت زن ہوتا ہے۔ من نہ زن دارم نہ خواب۔ الحمد للہ کہ ازیں ہر دو فارغم" آپ ہمیشہ اندھیرے ہی میں سکونت پذیر ہُوا کرتے تھے۔ دارا شکوہ لکھتے ہیں کہ ایک رات میں حضرت ملا شاہ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ آپ نے ایک ہمسایہ کے گھر سے چراغ منگوا کر فرمایا کہ دارا شکوہ آج تیرے آنے کی وجہ سے چراغ روشن کرنا پڑا۔ ورنہ آج تیس سال ہو گئے ہیں کہ ہم کو اس کی ضرورت

نہیں پڑی - دارا شکوہ حضرت ملّا شاہ کی ایک چشم دید کرامت لکھتے ہیں کہ مجھکو مسئلہ رویت حق میں شبہ واقع ہوا کہ دیدار خدا جو قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے، کیونکر ہوگا - اور ہمیں کس طرح نظر آئے گا - میں اس کے دریافت کرنے کی غرض سے حضرت ملّا شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا - مگر بباعث رعب کچھ عرض نہ کرسکا - اور واپس چلا آیا - گھر آکر میں نے جناب آلہی میں اس مشکل کے حل کرنے کی دعا کی - ارشاد ہوا کہ اے حیران بادیہ حیرت! کیوں فکر کرتا ہے - خدا قادر مطلق ہے جس طرح چاہے گا اپنے مقبول بندوں کو اپنا دیدار پُر انوار دکھائیگا دُوسرے دن میں پھر حضرت مُلّا شاہ کی خدمت میں گیا - اُنھوں نے دیکھتے ہی فرمایا کہ اے دارا شکوہ اب تو مسئلہ رویت میں تیری تسلّی ہو گئی - میں نے عرض کی کہ یا حضرت اس حال سے سوائے اُس عالم الغیب کے کوئی واقف نہیں آپ کو یہ کیفیت کس طرح معلوم ہوئی - آپ نے فرمایا کہ جس نے تم کو یہ حال سمجھایا اُسی نے مجھ کو بتایا ہے - حضرت مُلّا شاہ کی وفات سنہ ۱۰۶۹ ہجری میں ہوئی تھی -

آخر جب حضرت میانمیر کو لاہور میں رونق افروز ہوئے قریباً ۶۰ سال گذر گئے تو پیام اجل آپہنچا - آپ چار پانچ روز بیمار رہے - اور ۷ ماہ ربیع الاول سنہ ۱۰۴۵ ہجری لاہور کے محلہ خافی پور میں (جہاں اب چلہ صدر بازار انارکلی ہے) فوت ہُوئے - بوقت وفات حضرت میانمیر صاحب کے پاس خواجہ بہاری - مُلّا شاہ اور شیخ محمد لاہوری تھے -

روایت ہے کہ وفات سے ایک دن پہلے نواب وزیرخان (بانئے مسجد وزیر خان) حاکم لاہور عیادت کے لئے حاضر ہوا - اور کہا کہ ایک حکیم حاذق معالجہ کے لئے ہمراہ لایا ہوں - کیا حکم ہے؟ حضرت نے فرمایا - ع

درد مندِ عشق را دارو بجز دیدار نیست

غرض آپ کے انتقال کی خبر سُنکر لاہور وحشت زدہ ہو گیا تمام اہالیانِ دربار و اکابر نامدار - فضلائے روزگار - تمام ہندو مُسلمان اور مُرید خادم حضرت کے جنازہ کے ساتھ تھے -

اور لاہور[1] سے نصف کوس کے فاصلہ پر اپنے یار غمخوار میاں نتھا کے پاس دفن کئے گئے۔ آپ کی وفات کے دن یہ اشعار اکثر اشخاص کی زبان پر جاری تھے ؎

دردا کہ پاکباز جہاں از جہاں برفت — پاک آنچناں کہ بود برفت آنچناں برفت
غم شد محیط مرکز عالم زہر کراں — کاں مرکز و محیط کرم از میاں برفت

دارا شکوہ سکینۃ الاولیاء میں نہایت رنج و افسوس سے لکھتا ہے کہ حضرت کے انتقال کے وقت میں اکبر آباد (آگرہ) میں تھا۔ مگر اُسی وقت یہ واقعہ خواب میں مجھ کو نظر آیا۔ چار دن کے بعد اس خواب کی تصدیق بھی ہو گئی۔ جبکہ لاہور سے خبر جانکاہ واقعہ وفات آں جامع کمالات کی آگرہ میں پہنچی۔ حضرت مُلّا فتح اللہ صاحب نے آپ کی تاریخ وفات موزون کی۔ جو روضہ مبارک پر تحریر ہے ؎

میانمیر سر دفترِ عارفاں — کہ خاک درش رشکِ اکسیر شد
سفر جانب شہر جاوید کرد — ازیں محنت آباد دلگیر شد
خرد بہر سالِ وصالش نوشت — بہ فردوسِ والا میانمیر شد

دارا شکوہ اگرچہ مُرید حضرت مُلّا شاہ صاحب کے تھے مگر ارادت کاملہ اور بیشتر حاضر باشی حضرت میانمیر کی خدمت میں تھی۔ چنانچہ حضرت کا عالیشان روضہ دارا شکوہ نے ہی بنوایا۔ اس بدنصیب اور درحقیقت مُصیبت زدہ شاہزادے کا ارادہ تھا کہ حضرت کے روضہ مقدس سے تا قلعۂ لاہور نہایت مصفا اور خوشنما سنگِ سُرخ کی ایک سڑک خاص اپنی آمد و رفت کے لئے جو پابرہنہ ہو گی بنوائی جائے۔ اسی غرض سے اس نے ہزاروں روپیوں کا سنگِ سُرخ

---

[1] اب یہی مقام جہاں حضرت مدفون ہیں لاہور سے تین کوس کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ لاہور پہلے کس قدر آباد تھا۔ میانمیر نام گاؤں تو بعد میں آباد ہوا مگر اُس کے متصل دو مواضعات بنام عالم گنج اور داراپور بھی تھے۔ جن کا اب نام نشان بھی نہیں۔ لاہور کی آبادی اب بھی ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہے۔ شاہان سلف کے زمانہ میں جبکہ اسکی آبادی باغبانپورہ، میانمیر، اچھرہ اور نواں کوٹ تک تھی کیا کچھ رونق بڑھ ہو گی۔

منگوایا۔ مگر یہ تمنا ابھی پوری نہ ہوئی تھی کہ فقیر دوست شاہزادہ اپنے چھوٹے بھائی اورنگ زیب کے اشارے سے ہمیشہ کے لئے دنیا سے رخصت ہو گیا۔ قتل کا یہ دردناک واقعہ یکم محرم ۱۰۷۰ ہجری میں ہوا۔ جبکہ عالمگیر اورنگ زیب کو تخت نشین ہوئے صرف دو سال ہی گذرے تھے صاحب مخبر الواصلین نے تاریخ وفات میں مندرجہ ذیل اشعار لکھے ہیں۔ ؎

آنکہ شاہ بلند اقبال است — رتبہ اش در مقام ابدال است
جمعہ و غرّۂ مہ عاشور — بود روز وصال آں مغفور
سال تاریخ نقل آں شہ دین — شد رقم صاحب بہشت بریں
مرقد آں قتیل عشق آلہ — ہست در گنبد ہمایوں شاہ

داراشکوہ کے قتل کے باعث روضۂ حضرت میاں میرؒ بھی کچھ نامکمل سا رہ گیا۔ جس کو اورنگ زیب نے معمولی خشتی عمارت سے پورا کر دیا۔ اور سنگ سرخ جس قدر داراشکوہ نے جمع کیا تھا۔ اُس سے قلعہ کے پاس ایک عالیشان بادشاہی مسجد تعمیر کر دی۔ جس پر عالمگیر کا نام بھی لکھا ہوا ہے۔ حضرت کے مزار پُر انوار پر دو میلے ہوتے ہیں۔ ایک عرس کا جبکہ زائرینؔ اور خلق اللہ وہاں شب باشی اختیار کرتے ہیں۔ اور تمام رات ناچ و مجرا اور راگ و رنگ ہتا ہے اور راجہ اندر کا اکھاڑہ (طوائفین) مفت اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔ صبح سے شام تک قوالی ہوتی رہتی ہے۔ شوقین لوگ جس طرح شالامار باغ میں میلہ چراغاں کے دن ہر قسم کے طعام تیار کرتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی خوب جلسے اور

ؔ آجکل کے اکثر زائرین محض عیاش طبع اور شوقین لوگ ہوتے ہیں۔ اصل میں ایسے عرسوں و میلوں کا مطلب یہ ہے کہ بزرگوں کی روح پر فاتحہ کی جائے۔ اور تمام رات ورد و وظائف میں گذاری جائے مگر اب ۵ فیصدی زائرین بھی ایسے نہیں ہیں جو اس پر عمل کرتے ہوں۔ لاہور میں دربار حضرت داتا گنج بخشؒ اور حضرت میاں میرؒ کے عرس کے بہانے سینکڑوں عیاش اپنے آشناؤں اور بازاری عورتوں کو ہمراہ لیکر اور اُن میں سے بہت سے شراب خانہ خراب سے بدمست ہو کر روپیہ اور عزت برباد کرتے ہیں۔ ایسے ہی عیاش طبع لوگوں نے عرسوں کو بدنام کر دیا ہے۔ اور اکثر شریف آدمی اپنی بہو بیٹیوں کو محض اسی وجہ سے عرسوں میں نہیں جانے دیتے۔

دعوتیں ہوتی ہیں۔ دوسرا میلہ ماہ ساون اور بھادوں میں ہر بدھ اور خصوصاً ہر بدھ کی چاندنی رات کو ہوتا ہے۔ حضرت میاںمیر چونکہ تمام عمر مجرد رہے تھے۔ اُن کی کوئی صلبی اولاد نہ تھی۔ جب حضرت نے وفات پائی تو داراشکوہ نے سیستان (اُن کے اصلی وطن) میں خاص آدمی بھیجے۔ وہاں سے محمد شریف حضرت کا خواہرزادہ آیا۔ جو حضرت کے روضہ کا سجادہ نشین مقرر کیا گیا۔ اور فرمان شاہی کے بموجب تمام عمارات اور جاگیر اور معافیات اُس کو تفویض ہوئیں۔ اب محمد شریف کی اولاد ہی سجادہ نشین چلی آتی ہے۔ روضہ کی چار دیواری میں اِس قدر قبور ہیں کہ ایک خاصہ قبرستان نظر آتا ہے۔ یہ سب قبریں بالعموم حضرت کے لواحقوں۔ خادموں اور سجادہ نشینوں کی ہیں۔ ان میں بڑی بڑی اور مشہور قبریں تعداد میں اکیس ہیں۔ جن میں علاوہ سجادہ نشینوں اور خلیفوں کے دو قبریں حضرت کی دونوں بہنوں (بی بی جمال خاتون اور بی بی جمال بادی) کی اور ایک نادرہ[1] بیگم ہمشیرہ شاہزادہ داراشکوہ اور بنت شاہنشاہ شاہجہان کی ہے۔ جس نے بعمر ۱۱ سال ۱۰۴۲ھ ہجری میں انتقال کیا تھا۔ یہ قبر (جو بارہ دری کے نام سے مشہور ہے) حضرت میاںمیر کے حین حیات میں تعمیر ہوئی تھی۔

---

[1] نادرہ بیگم پہلے پہل نو سال کی عمر میں بخدمت حضرت میاںمیر حاضر ہوئی اور برابر دو سال تک ایک وقت (نماز ظہر) کا وضو حضرت کو کراتی رہی۔ جب اس کی عمر گیارہ سال کی ہوئی۔ تو حضرت نے اُس کو فرمایا کہ اے فرزند! اب تو جوان ہوگئی ہے۔ وضو کرانے نہ آیا کر۔ نادرہ بیگم کو دل میں ملال گذرا کہ خدا جانے مجھ سے کیا تقصیر سرزد ہوئی ہے کہ حضرت نے مجھ کو اس خدمت سے معزول فرمایا ہے۔ دُعا کی کہ اے جناب باری اس جینے سے مرنا بہتر ہے مجھے پردہ پوش کرے۔ اس نیک بخت لڑکی کی دُعا میں یہاں تک مقبولیت کا اثر تھا کہ صبح سے پہلے ہی مرغ روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ حضرت کو خبر ہوئی۔ فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ایک عمدہ تالاب اور مقبرہ کی بارہ دری داراشکوہ نے بنوائی۔ تالاب کی اینٹیں بوقت تعمیر چھاؤنی میاںمیر (جسکو قریباً نصف صدی سے زیادہ عرصہ گذرا ہے) محبوب سجادہ نشین نے ۲۵۰ روپے کو فروخت کردیں۔

لاہور کے اور مشہور صاحب کمال فقرا کا مختصر احوال

مختصر کیفیت	تاریخ عرس	سن وفات یا عمر	مزار کہاں ہے	نام
آپ قوم کے بلوچ سلسلہ قادریہ کے پیر اور اشعار معرفت بزبان پنجابی کے بہت بڑے شاعر تھے آپ صاحب کشف و کرامات بھی تھے۔	سال بھر میں جمادی الاول کی آٹھویں سے گیارھویں تک چار روز میلہ۔	وفات ماہ جمادی الاول ۱۲۱۲ھ عمر اسی سال	متصل موضع مزنگ	حضرت عبداللہ شاہ قادری (۱)
حضرت شاہ ابواسحاق اور حضرت شاہ ابوالمعالی پیر بھائی تھے۔ آپ کے مزار پر صرف قرآن خوانی اور فاتحہ ہوتی ہے قوالی راگ و ناچ کی سخت ممانعت ہے	ہر سال کی ۵ محرم کو میلا ہوتا ہے	وفات ۵ محرم ۵۸۵ھ ہجری	شرق رویہ بموضع مزنگ	شاہ ابواسحاق قادری (۲)

نام	مقامِ مزار	سنِ پیدائش / وفات / عمر	تاریخِ عرس	مختصر کیفیت
حضرت شیخ موسیٰ (۱)	علاقہ قلعہ گوجر سنگھ	وفات ۹۲۵ھ ہجری	....	امرایانِ سکندر سکندر لودھی آپ کے طالب وارادت مند تھے۔ جہاں آپ کا مزار ہے وہاں آپ کی دوکان آہنگری کی تھی مشہور ہے کہ ایک عورت (ہندو قوم کی) آپ سے چرخے کا تکلا سیدھا کرانے آئی۔ آپ نے تکلا تو آگ میں رکھدیا۔ اور خود اس عورت کے محو حسن ہو گئے۔ عورت نے شرما کر کہا کہ آپ تکلا سیدھا کیجئے۔ مجھے کیوں دیکھ رہے ہو۔ بلکہ سخت وسست بھی کہا۔ آپ نے کہا کہ میں تجھکو نہیں دیکھتا۔ اس صانع حقیقی کی صنعت کو دیکھ رہا ہوں۔ اگر تجھ کو اعتبار نہیں تو میری طرف دیکھ۔ یہ کہکر تکلا آگ سے نکالکر اپنی آنکھوں میں پھیرا۔ اور کہا کہ اگر میں نے نظر بد سے تجھے دیکھا ہو تو اسی وقت اندھا ہو جاؤں۔ خدا کی قدرت سے تکلا بجائے لوہے کے سونے کا ہو گیا۔ اور آنکھوں کو کوئی ضرر نہ پہنچا۔ یہ کرامت دیکھ کر بہت لوگ مرید ہوئے۔ عورت بھی مشرف باسلام ہو کر اسی مقبرہ کی چار دیواری میں دفن ہوئی۔
شیخ عبد الجلیل المشہور چوہڑ بندگی (۲)	متصل مقبرہ شیخ موسیٰ	۵ رجب ۹۱۰ھ ہجری	....	بعہد سلطان سکندر لودھی۔ جب آپکی کرامات کا شہرہ ہوا تو اس نے اپنی لڑکی کی شادی آپ سے کردی جس سے ایک لڑکا شاہ ابو الفتح پیدا ہوا۔

نام	مزار کہاں ہے	تاریخ وفات یا زمانہ	تاریخ عرس	مختصر کیفیت
فقیر تلجے شاہ (۵)	غرب رو یہ شاہ ابوالمعالی بمیدان زین خان	بروز دوشنبہ ہفتم ماہ بیساکھ سمت ۱۹۰۰ مطابق سنہ ۱۲۶۰ھ	سال میں ایک مرتبہ تاریخ وفات پر عرس ہوتا ہے	بروز عرس کثر لوگ شب باش ہوتے ہیں بھنڈارا اور ناچ رنگ بھی ہوتا ہے
حضرت شاکا کو چشتی (۶)	لنڈا بازار متصل مکانات مولچند بنزو مسجد قدیم جو بقبضہ سکھاں ہے	م نظام الدین سلطان المشائخ دہلی کے مرید ہیں۔ اور چند ملاقاتیں آپ کی حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر سے بھی ہیں۔ عہد عالمگیر میں آپکی شہرت ہوئی۔ جبکہ ایکدن حضرت میانمیر نے یہاں آکر اپنے ہمراہیوں سے فرمایا کہ یہ مزار ایک برگزیدہ خدا اور اولیاءاللہ کا ہے۔		ایک درخت کے نیچے چھوٹا سا چبوترہ ہے۔ جس پر آپکی قبر ہے آپکی وصیت تھی کہ مقبرہ ہمارا معمولی بنایا جائے سال میں ایکدن میلہ ہوتا ہے شہر کے خوجے مجلس وچراغان کرتے ہیں سماع قوالان اور ناچ طوائفان بھی ہوتا ہے
حضرت عبدالرزاق نگی (۷)	سڑک ضلع و متصل کوٹھی جسٹھ جی سوداگر نیلام	وفات سنہ ۱۰۸۶ھ بروز پنجشنبہ		آپ بعہد ہمایون بادشاہ غزنی سے آکر پہلے پہل سپاہیان میں نوکر ہوئے سنہ ۱۰۱۰ھ میں حضرت موج دریا سے بیعت کی اور تارک الدنیا ہو گئے۔

مختصر کیفیت	تاریخ عرس	سن پیدائش یا وفات	پتہ مزار	نام
بعہد نواب خان بہادر آپ بڑے بزرگ اور فقیر کامل ہو گذرے ہیں۔	....	....	متعلقہ قبرستان میانی صاحب	پیر زاہدی (۸)
بعہد شاہجہان بادشاہ آپ بڑے زاہد، عابد اور دولتمند فقیر تھے۔	؍؍	وفات سنہ ۱۰۵۵ ہجری	؍؍	حاجی نور صاحب (۹)
آپ فقیر مست مجذوب تھے۔ تمام ہندو مسلمان آپ کا نہایت ادب		وفات سنہ ۱۲۶۹ ہجری	متعلقہ گورستان میانی صاحب	نظام شاہ مجذوب (۱۰)
کرتے تھے۔ آپ کا مقبرہ نواب شیخ امام الدین نے بنوایا تھا۔ آپ نے ایک دن تکیہ سادھواں میں آکر بروز عید الضحیٰ عام لوگوں کو کہا کہ آج پُرانی صف اُلٹ کر نئی صف قایم ہو گی۔ چنانچہ اُسی دن بلکہ دو گھنٹہ کے بعد ہی راجہ ہیرا سنگھ کو مہاراج دلیپ سنگھ کے ماموں سردار جواہر سنگھ نے قتل کر ڈالا۔		وفات سنہ ۱۰۶۳ ہجری ان کی یہ کرامت بڑی مشہور ہے کہ جب کوئی ان کی قبر کے پاس سے گذرتا ہے تو اسے سلام کی آواز آتی ہے۔ بعض لوگوں نے بچشم ظاہری بھی اُن کو کئی دفعہ دیکھا ہے۔	متعلقہ گورستان خطہ میانی وشرقرویہ مقبرہ حضرت حاجی نور صاحب	حضرت عارف چشتی (۱۱)
آپ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے خلیفہ اعظم حضرت سید آدم کے خلیفہ تھے ابتدا میں شاہجہان بادشاہ کی فوج میں ملازم تھے۔ آپ ولی کامل ہو گذرے ہیں۔		سنہ ۱۱۸۰ ہجری وفات بعہد عالمگیر	خطہ میانی شرق رویہ چاہ ہدایت خاں	شیخ سعدی بلخاری لاہوری (۱۲)

نام	مقام مزار	سن ولادت، سن وفات، عمر	تاریخ عرس	مختصر کیفیت
پیر شیرازی (۱۳)	خطہ میانی بجانب گوشہ غربی وجنوبی موضع مزنگ	وفات ۱۰۲۰ھ	..	آپ کا اصل نام سید محمد شاہ اور مشہور پیر شیرازی ہے۔ آپ کی خانقاہ تکیہ پیر شیرازی والا کے نام سے مشہور ہے اس تکیہ میں مزنگ کے بوریا باف لوگ بعہد زمان شاہ خوشاب سے لاہو آئے تھے۔
پیر ہادی رہنما (۱۴)	متصل بوڑھی خانہ	۱۰۸۶ھ ہجری وفات		آپ سید شاہ شمس تبریز کے نبیرہ ہیں۔ یہ مقبرہ بہت پرانا بعہد بابر بادشاہ کا بنا ہوا ہے۔ اس مقبرہ میں پیر ہادی صاحب کے دو اور بھائیوں کی بھی قبریں ہیں۔ یہ مقبرہ نہایت خوشنما تھا۔ مگر راجہ دھیان سنگھ نے تمام پتھر اور ستون وغیرہ اکھڑوا کر جموں بھجوا دیئے۔ مقبرہ جہانگیر شاہدرہ میں اسی مقبرہ کی طرز پر بنا تھا۔ خوجہ لوگ گندم فروش سکنہ بازار چوک جھنڈا آپ کے مرید ہیں۔
حضرت شاہ شرف (۱۵)	متصل سڑک جیل ٹیلہ ہائے چاندماری	..	۱۲ صفر	آپ کا مزار ایک چبوترہ خشتی پر واقعہ ہے

اس چبوترہ پر ایک قبر آپ کی ایک آپ کے مرشد محمد فاضل کی۔ ایک آپ کے مرید عزیز اللہ کی ہے۔ محمد فاضل صاحب کا عرس بھی یہاں ہی ۱۲ رجب کو ہوتا ہے۔ قبر کے جنوبی طرف ایک مسجد تھی جہاں آپ مفت تعلیم دیا کرتے تھے اور بادشاہ کی طرف سے آپکو امداد ملا کرتی تھی۔ اب صرف اس مسجد کے نشان باقی ہیں۔ آپ کے مرشد بزمانہ شاہجہاں ہو گذرے ہیں۔

نام	پتہ مزار	سن وفات یا زمانہ	تاریخ عرس	مختصر کیفیت
شاہ اسمٰعیل محدث (۱۶)	متصل کوٹھی مہاراجہ پٹیالہ ایک بلند چبوترہ پر ہے۔	وفات سنہ ۱۲۴۶ ہجری	۲۷ رجب	آپ بہت پرانے ولی ہیں۔ عموماً انگریز لوگ آپ کا عرس کیا کرتے ہیں آپ بہت بڑے زبردست اور صاحب تاثیر واعظ تھے۔
درگاہی شاہ (۱۷)	متصل مزار شاہ اسمٰعیل محدث	..	..	آپ بعہد جہانگیر حضرت شاہ چراغ کے ہمراہ لاہور تشریف

لائے تھے۔ مزار کے جنوب کی طرف ایک چاہ پختہ ہے۔ جس کا نام پانی داتیاں والا مشہور ہے۔ یہ پانی پھوڑے پھنسیوں کے لئے بہت مفید ہے۔ یہانتک کہ جہاں چاہ کا پانی گرتا ہے وہاں کی ٹھیکری کبھی گھس کر اگر پھوڑے پر لگائی جائے تو آرام آجاتا ہے بروز یکشنبہ یہاں چھوٹے چھوٹے لڑکوں کو نہلانے کے لئے سوا روپیہ نقد اور کچھ روٹیاں شیریں اور نمکین ساتھ لیکر آتے ہیں۔ مگر اب کنواں ایک انگریز کی کوٹھی میں آگیا ہے۔

نام	پتہ مزار	سن وفات یا زمانہ	تاریخ عرس	مختصر کیفیت
پیر برہان (۱۸)	بیرون یکی دروازہ	بعہد اکبر بادشاہ	..	آپ کا اصل وطن بخارا ہے۔ آپ کا مزار پہلے نہایت

خوبصورت تھا۔ مگر کنور نونہال سنگھ نے مسمار کرادیا۔ اب پھر غالباً چالیس پچاس سال کا عرصہ گذرا ہے) از سر نو بنایا گیا ہے۔ ایک مسجد بھی پہلو میں ہے اس قبر کے پاس ہی ایک قبر شہاب نام ایک نوگزہ کی ہے۔ اور پہلوانوں کا ایک اکھاڑہ بھی بنا ہوا ہے۔

نام	مقام مزار	سن پیدائش یا وفات	تاریخ عرس	مختصر کیفیت
سائیں قطب شاہ (۱۹)	بمقام اوچ شریف	۱۲۲۳ھ ہجری	..	چودہ سال میں ہی آپ علم عربی و فارسی میں کامل ہو گئے تھے آپ نے پہلے چل بمقام

کوٹ مٹھن مولوی خدا بخش صاحب چشتی چڑاں والے سے بیعت کی۔ بعد ازاں آپ بارادہ اجمیر وطن سے روانہ ہوئے۔ جب انبالہ پہنچے تو شاہ ولایت علیہ السلام (حضرت علی مرتضیٰ) نے خواب میں ارشاد ہوا کہ لاہور جو مخزن فقراء اور گنجینہ اولیاء کرام ہے جاؤ غرض بعہد مہاراجہ شیر سنگھ آپ لاہور پہنچے اور مسجد وزیر خاں میں شب باشی کی۔ یہاں آ کر سائیں صاحب نے حضرت احمد یار صاحب ساکن کوٹ پھیرو شاہ ضلع گوجرانوالہ سے کامل طور پر بیعت کی۔ ۱۸۴۳ء میں آپ مسجد لاڈو دایہ والی سے اُٹھ کر سر تکی والے تکیہ میں آئے۔ ۱۸۶۳ء کے قریب قریب آپ حج کو تشریف لے گئے۔

نام	مقام مزار	سن پیدائش یا وفات	تاریخ عرس	مختصر کیفیت
صدر دیوان (۲۰)	بیرون شاہ عالمی دروازہ متصل تالاب رتن چند داڑھی والا	وفات ۶۰۲ھ	۱۶ رجب	سفینۃ الاولیاء میں داراشکوہ نے لکھا ہے کہ ۵۵۷ ہجری میں حضرت صدر دیوان

صاحب کا اصلی نام اُن کا سید یعقوب زنجانی تھا۔ شیخ المشائخ سید حسین زنجانی شیخ المشائخ سید اسحٰق زنجانی اور حضرت امام علی الحق کے ہمراہ لاہور تشریف لائے تھے۔ یہ سب آپس میں رشتہ دار تھے۔ سید حسین زنجانی کا مزار موضع کوٹھی میراں نزد لاہور اور حضرت امام الحق کا مزار سیالکوٹ میں زیارت گاہ خلق اللہ ہے۔ اِن چاروں حضرات سے حضرت خواجہ معین الدین سلطان الہند کی بھی ملاقات ہے جبکہ وہ داتا گنج بخش کے مزار پر چلہ کاٹنے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ مشہور ہے کہ جو بے اولاد عورت بروز جمعرات یہاں سے پانی پئے تو با اولاد ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ آپ کی قبر کے پہلو بہ پہلو چار اور قبریں ہیں۔ ایک صاحبزادہ صاحب کی دو بھتیجیوں کی ایک والدہ کی۔

مختصر کیفیت	نام جانشین	سن وفات تاریخ عمر	مزار کہاں ہے	نام
آپ کے انتقال کو غالباً پچاس سال سے زیادہ عرصہ گذرا ہوگا۔ کیونکہ نور احمد صاحب چشتی لکھتے ہیں کہ میں نے خود ان کو ۱۸۶۴ء میں دیکھا ہے۔ نیز کوٹلی کے باشندے بھی ایسا ہی بیان کرتے ہیں اور مزار پر انوار بھی نیا ہی معلوم ہوتا ہے۔ آپ فقیر مجذوب تھے اور اکثر لاہور میں ہی رہا کرتے تھے۔ چنانچہ تکیہ آپ کے نام سے ابتک مشہور ہے۔ یہاں آپ نے ایک قبر بھی حین حیات میں بنوائی تھی۔ مگر	..	..	مزار کوٹلی متصل ہرنراین سیالکوٹ و تکیہ لاہور بیرون بھاٹی دروازہ بشرق رویہ اس سڑک کے جو انارکلی سے شاہدرہ کو جاتی ہے۔ وہ بالمشافہ باغ نواب امام الدین خاں کی ایک چار دیواری	جلے شاہ (۲۱)

آخر عمر کوٹلی میں کہ ان کی جاگیر بتائی جاتی ہے انتقال ہوا۔ لاہور کے تمام لوگ اور بالخصوص خاندان فقیر صاحبان آپ کے نہایت معتقد تھے۔ آپ کے مزار کی عمارت آغا شہباز خان رئیس سیالکوٹ نے بنوائی تھی۔ جو آپ کے دلی عقیدتمندوں میں تھے کہتے ہیں کہ مرحوم آغا شہباز خان جن کے پوتوں میں سے اس وقت سیالکوٹ میں آغا محمد باقر خاں اور آغا محمد جعفر خاں معزز و ممتاز ہیں۔ ابتدا میں ایک بالکل غریب آدمی تھا۔ مگر حضرت کی دعا سے صاحب اقتدار ہو گیا۔ اس خاندان کی طرف سے ابتک تکیہ کی مرمت وغیرہ ہوتی رہتی ہے۔ آپ کی بیشمار کرامات گردو نواح میں مشہور ہیں (راقم الحروف **محمد الدین فوق**) کو اس مزار اور اس مقام (کوٹلی) سے اس لئے زیادہ خصوصیت ہے۔ کہ میرے اجداد یہاں قریباً ۳۰ سال تک بسلسلہ ملازمت رہے ہیں میرے دادا مولوی رجب علی صاحب بھی اسی احاطہ مزار میں دفن ہیں۔ انکے علاوہ اور بہت سے عزیز یہاں ہی سوئے پڑے ہیں۔ اور میری خاص ولادت کا مقام بھی یہی کوٹلی ہے جو سیالکوٹ سے دو تین میل کے فاصلہ پر بجانب جنوب واقع ہے۔

مختصر کیفیت	ایام میلہ یا عرس	تاریخ بنا یا وفات	جائے وقوع	نام
آپ کا اصل وطن احمد آباد دکن ہے آپ کی وصیت تھی کہ ہماری نعش کا صندوق پنجاب کے اُس مقام میں دفن کرنا جہاں سے صندوق کسی کے ہلائے سے نہ ہل سکے۔ آخر جب لاہور میں آپ کا صندوق پہنچا تو کسی سے نہ اُٹھایا گیا۔ چنانچہ ۱۰۳۵ھ ہجری میں مزنگ میں آپ دفن کئے گئے۔	نہم صفر کو بباعث وصال اور نہم ربیع الاول کو بباعث دفن	وفات ۱۰۳۵ھ ہجری	شمال رویہ موضع مزنگ	شاہ ستر ربانی المشہور شاہ سروانی (۲۲)
آپ کا مزار پیر خانہ کے نام سے مشہور ہے آپ قطب الاقطاب حضرت شمس تبریز کے پوتے ہیں۔ تمام زرگر لوگ آپ کو اپنا پیر کامل جانتے ہیں۔ حضرت پیر ہادی رہنما آپ کے ہم جد بیان کئے جاتے ہیں۔	۱۳ بیساکھ	وفات بعہد اکبر بادشاہ	غرب رویہ سڑک قصور اور شرقی موضع مزنگ	پیر خانہ شیر شاہ (۲۳)
چھیویں بادشاہی سے مراد گورو ہرگوبند صاحب ہیں جو صلح کل اور بے تعصب بیان کئے جاتے ہیں۔ اور جنکی بابت روایت ہے کہ شاہ ابو اسحاق سے ان کی بدرجہ کمال دوستی تھی۔ گورو ہرگوبند صاحب یہاں آکر بعہد جہانگیر سکونت پذیر رہے ہیں اس لئے یہ مکان اُن کے نام سے متبرک سمجھا جاتا ہے۔ پہلے معمولی مکان تھا مگر بعہد مہاراجہ رنجیت سنگھ نہایت عمدہ عبادت گاہ بن گئی ہے۔	ہر چاند کی پانچویں کو میلہ ہوتا ہے	..	شرق رویہ موضع مزنگ و مقبرہ شاہ ابو اسحاق	چھیویں بادشاہی (۲۴)

نام	مقام مزار	سنہ پیدائش و وفات	تاریخ عرس	مختصر کیفیت
پیر غازی المشہور پیر از غیب (۲۵)	شمال رویہ امام باڑہ وشر قرویہ دربار داتا صاحب			ایک بڑے سایہ دار درخت پلپل کے نیچے آپ کا مزار ہے۔ آپ کے نام پیراز غیب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ

جب باغ زیب النساء بیگم (جس کا ایک دروازہ چوبرجی اب بھی ٹوٹا پھوٹا موجود ہے) بننے لگا اور جب اس کی دیوار شمالی تعمیر ہونے لگی تو مشہور ہے کہ جس قدر دیوار دن کو بنا کرتی تھی رات کو مسمار ہو جاتی۔ جب پانچ سات مرتبہ ایسا ہی ہوا تو بادشاہ نے علماء و فضلاء کا ایک جلسہ دریافت حال کے لئے کیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہاں کسی ولی کامل کی قبر ہوگی۔ چنانچہ وہاں قبر کا نشان بنا دیا گیا۔ اور چونکہ یہ بات پردہ غیب سے ظہور میں آئی تھی۔ اس لئے نام پیراز غیب اور پیر غازی رکھا گیا۔ بعہد شاہان سلف یہاں ایک شیش محل تھا۔ اور ایک موضع سانندہ تک کا خطہ شیش محل کے نام سے ہی مشہور ہے۔ اس مزار کا تعلق بھی مجاوران حضرت داتا گنج بخش سے ہے۔ موضع شیش محل میں منڈی بھی لگتی ہے۔ یہ موضع قریباً ایک صدی سے تباہ ہو گیا ہے۔

سکندر شاہ (۲۶)	شمال رویہ تکیہ قطب شاہ براستہ عام موضع سانندہ	وفات سنہ ۱۸۴۲ء	بروز رویت ہلال عید	ہلال عید کو دیکھتے ہی اس تکیہ میں تمام شہر کے چرسی چرس اس زور سے پیتے ہیں کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے ہیں۔

نام	جائے مزار	سن پیدائش یا سن وفات	تاریخ عرس	مختصر کیفیت
حاجی جمعیت قدم رسول (۲۷)	بجانب شمال ومغرب ریلوے سٹیشن	سنہ تعمیر مقبرہ ۱۰۳۰ھ ہجری	۱۱ ماہ ربیع الاوّل	حاجی جمعیت کا اصل نام حاجی جمیل ہے آپ بعہد اکبر بادشاہ مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ جہاں سے قدم رسول لائے۔ قدم مبارک حضرت سرور کائنات رنگ سُرخ کا ہے۔ ایڑی بطرف شرق اور انگلیاں بطرف غرب ہیں یہ مکان قدم رسول کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں ایک قبر غلام رسول لاولد سوداگر کی بھی ہے جس کا حال اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ وہ حاجی جمیل صاحب کا دلی دوست تھا۔ اُس نے بیان کیا کہ میں مکہ معظمہ جانا چاہتا ہوں۔ آپ نے کہا کہ میں نے سات حج کئے ہیں ایک حج کا ثواب تم کو دیا۔ اُس نے کہا کہ مجھے عمارات اور زیارت روضہ کا کمال شوق ہے۔ آپ نے کہا کہ ایک دن اور صبر کرو۔ مگر رات کو عمدہ پوشاک پہن اور عطر خوشبو لگا کر اور ہزار بار درود شریف پڑھ کر سونا۔ غلام رسول نے خواب میں دیکھا کہ بیت اللہ اُس کے گھر میں موجود ہے۔ غرض صبح ہوئی اور حاجی جمیل کے پاس آکر غلام رسول نے تمام دولت فقیروں کو بانٹ دی۔ اور آپ بھی فقیر ہو گئے۔ ایک سال کے بعد جب ایک سوداگر غلام رسول کا سات ہزار روپیہ دینے کیلئے آیا تو اُسے معلوم ہوا کہ غلام رسول فلاں مقام پر فقیروں کی طرح بسر اوقات کرتا ہے سوداگر روپیہ لیکر وہاں پہنچا تو اس نے لینے سے انکار کیا۔ آخر اُس سوداگر نے اُسی روپے سے قدم رسول کا مکان اور تالاب اور مقبرہ تعمیر کیا۔ حاجی جمیل مرید حضرت رنگ بلاول کے ہیں جو مادھو لال حسین کے خادم اور خلیفہ تھے۔
فضل شاہ (۲۸)	ما بین دروازہ مستی و کشمیری باغیچہ نواب علی رضا خان	وفات سمت ۱۹۰۱ ۱۸ ماہ ساون بروز پیر	۱۲ ماہ ساون	آپ کا اصل وطن سید پور کہنہ علاقہ ظفروال ضلع سیالکوٹ ہے آپ لاہور میں آکر پہلے مسجد وں کے

نام	مزار کہاں	سن وفات یا عمر	[illegible]	مختصر کیفیت
				ملاں ہے پھر عینکیں بنانے لگے ۔ بعد میں سائیں رحمان شاہ مجذوب فقیر کے جذبہ اور مہربانی سے مجذوبانہ حالت میں زندگی بسر کرنے لگے ۔ ایک عرصہ تک چوک زیر خاں میں رہے بعہد مہاراجہ شیر سنگھ آپ نے دروازہ مستی کی طرف قیام پسند کیا ۔ راجہ دینا ناتھ آپ کا دلی مرید اور عقیدت مند تھا ۔ آپ کی قبر آپ کی عین حیات ہی میں راجہ دینا ناتھ نے بنوائی تھی ۔ عرس کے دن مجلس قوالان اور ناچ طوائفان سے بڑی رونق ہوتی ہے ۔ رات کو بھنڈارہ ہوتا ہے ۔ راجہ دینا ناتھ کے زمانہ میں سینکڑوں روپے عرس کے دن خرچ ہو جایا کرتے تھے ۔ آپکی عادت تھی کہ بقچہ کپڑوں کا بغل میں دبائے اور حقہ ہاتھ میں لئے رہا کرتے تھے ۔ اور اکثر بمزار بابا کد اماں اور حضرت میانمیر جایا کرتے تھے ۔ راجہ دھیان سنگھ ۔ مہاراجہ شیر سنگھ و دلیپ سنگھ بھی آپ کے پاس نذریں لیکر گئے تھے مگر آپ نے توجہ نہ کی ۔
شاہ کنتھ (۲۹)	بیرون دروازہ موچی مقبرہ شاہ ابو المعالی	وفات ۱۴ ربیع الاول ۱۱۰۹ھ ہجری	..	۱۰۸۰ھ ہجری میں آپ افغانستان سے لاہور آئے ۔ آپ بزرگ سید خاندان قادریہ سے ہیں ۔ آپکی قبر کو عرصہ تک ویران رہی ۔ مگر جو کوئی بے ادبی کرتا تھا تو اس کو نتیجہ مل جاتا تھا ۔ ۱۲۲۱ھ میں الٰہی بخش بالکے نے عمارت بنوائی ۔ عرس کے دن مجلس قوالان اور ناچ مجرا ہوتا ہے ۔
سید بہاول شاہ گیلانی (۳۰)	غرب رویہ موضع مزنگ	وفات بعہد اکبر بادشاہ	..	آپ کا اصل نام حضرت بہاول شیر المشہور بہاول شاہ گیلانی بن سید اسمٰعیل گیلانی ہے ۔ آپ کا مزار متصل خانقاہ حضرت بیوی وڈی

نام	جائے مزار	تاریخ پیدائش یا وفات	تاریخ عرس	مختصر کیفیت
				زوجہ محترمہ حضرت موج دریا بخاری، غرب رویہ مزنگ برلب سڑک فیروز پور واقعہ ہے۔ آپ بڑے اہلِ کمال اور صاحبِ حال وقال اور مست و مجذوب ہو گذرے ہیں۔ آپ کے والد سید محمود کی قبر بدایون میں واقع ہے۔ آپ کی عمر ۲۵۰ سال کی ہوئی ہے۔ اکثر شیر پر سواری کرتے تھے۔
شاہ مقیم حبو والا (۳۱)	جنوب رویہ تکیہ بہاول شاہ	وفات ۱۰۵۵ سنہ ہجری	.. .. ..	آپ حضرت بہاول شیر کی اولاد سے ہیں آپ کا اصل نام محکم الدین تھا۔ حضرت کے والد حضرت شاہ محمد مقیم حسب الایمائے اپنے جد امجد کے لاہور میں تشریف لائے۔ اور خطہ سیانی میں حضرت حیات المیر سے ملاقات اور بیعت کرکے چلّہ کاٹا۔
حضرت حامد قادری (۳۲)	شرق رویہ پٹراوہ بدھو	۱۰۸۰ سنہ ہجری پیدائش وفات ۱۴ جمادی الثانی سنہ ۱۱۶۶ھ	۱۷ جمادی الثانی	حضرت حامد قادری قرآن خوانی میں بڑے اُستاد اور اپنے وقت میں یگانہ آفاق تھے۔ آپ فقیر کامل اور شیخ متین ہو گذرے ہیں۔ آپ ہمیشہ سلسلہ تدریس جاری رکھا کرتے تھے۔
شاہ شمس الدین قادری (۳۳)	بجانب کوٹھی لاٹ صاحب	وفات ۱۱ رجب چہارشنبہ سنہ ۱۰۲۱ھ	بروز وفات معمولی فاتحہ ہوتی ہے۔	شاہجہان بزمانہ شاہزادگی آپ کا کمال معتقد تھا۔ اُسی نے مقبرہ بھی بنوایا جہانگیر نے اس مقبرہ کے گرد ایک عالیشان باغ تعمیر کرایا جو عہد محمد شاہ تک آباد تھا۔ کہتے ہیں کہ یہاں رات کو شب باشی کے وقت ہیبت آتی ہے۔ آپ حضرت شاہ ابو اسحاق کے خادم اور حضرت شاہ بلاول کے پیر بھائی ہیں۔

نام	جائے مزار	سن پیدائش یا وفات	تاریخ عرس	مختصر کیفیت
حضرت موسٰی کھوکھر (۳۴)	جنوب رویہ میڈیکل کالج	وفات ۵ محرم ۱۰۲۵ھ	..	آپ حضرت مادھولال حسین کے زمانے میں صاحب کمال فقیر ہوگذرے ہیں۔ حضرت شاہ محمد مقیم حجرہ والے آپ کے داماد تھے۔
حضرت محترم (۳۵)	غرب رویہ گوشہ شمالی پڑ لوہ بدھو	وفات ۱۱۰۲ ہجری	..	آپکا روضہ مربع کیفسوریں ہے۔ عمارت اچھی تھی مگر اب بیکسی برس رہی ہے۔
پیر روڑاں والا (۳۶)	متصل مزار حضرت حامد قادری شمال رویہ مقبرہ ابوالحسن خاں	وفات ۲۵ محرم ۱۰۶۲ ہجری	..	پیر روڑاں کے لفظ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب کسی کو بیماری تپ کی ہوئی ہے تو اُسکے گلے میں اس مقبرہ کا روڑا تاگے میں باندھکر ڈالدیتے ہیں۔ بعد صحت وہ شخص یہاں حسب مقدور نذر چڑھاتا ہے۔ نام ان کا میر عبداللہ شاہ گیلانی ہے۔ نواب علی مردان خان آپ کا دلی عقیدتمند تھا۔ اور اُسی نے آپ کا مقبرہ حضرت کی حین حیات ہی میں بنوایا تھا۔
شاہ سکین امری المشہور پیر غیری (۳۷)	وفات ۱۰۵۰ھ غرب رویہ چھاؤنی میانمیر	..	..	آپ کا اصل نام میر عنایت اللہ۔ اور وطن لاہور ہے۔ آپ اپنے پیر کے بہت مطبوع طبع تھے۔ آپ کے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے۔ کہ جہاں آپ کا روضہ ہے۔ وہاں کی زمین بارانی اور بنجر تھی۔ حضرت میانمیر نے کہا کہ جس زمین میں تم رہتے ہو وہاں بغیر چاہ کے خدا کے امر سے ہی زراعت ہوا کریگی۔ اس لئے تم امری زمین کے ساکن ہو۔ آپ چونکہ نہایت سکین مزاج بھی تھے۔ اس لئے آپ کا نام شاہ سکین امری مشہور ہوگیا۔ آپ کچھ عرصہ مجذوب بھی رہے۔ دارا شکوہ نے آپ کا مزار بنایا تھا۔

نام	پتہ مزار	سن پیدائش یا وفات	تاریخ عرس	مختصر کیفیت
پیر ٹھکا (۳۸)	متصل گڈی شاہو وجنوب رویہ سڑک میانمیر	وفات سنہ ۱۱۱۷ ہجری	.. .. ..	نام آپ کا مولوی نظام الدین چشتی ہے پیر ٹھکا کے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ عموماً جو کوئی ٹھکوں (مسّا) والا آپ کے پاس آتا تھا۔ آپ کی دُعا سے شفایاب ہوجاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اب بھی اگر کوئی ٹھکوں والا جاروب اور پھولوں کا سہرا آپ کی نذر کرے تو شفا ہوجاتی ہے۔ آپ کے پہلو میں آپ کے دونوں خورد سال صاحبزادے بھی قیامت کی نیند سوئے پڑے ہیں۔
سید عبدالحکیم (۳۹)	جنوب رویہ کوٹھی لاٹ صاحب	وفات سنہ ۱۱۰۸ھ پیدائش سنہ ۱۰۳۱ھ بعہد جہانگیر	.. .. ..	آپ کے جد کلاں حضرت سید یعقوب صاحب سنہ ۸۴۵ھ میں ملک ایران سے ہندوستان میں تشریف لائے۔ آپ بڑے صاحب کمال اور بعہد جہانگیر فاضل اہل اللہ تھے۔
شاہ فرید (۴۰)	شمال رویہ موضع ڈھولن وال	وفات سنہ ۱۱۰۶ ہجری ۱۷ رجب	.. .. ..	آپ بعہد شاہ ہمایوں بحیثیت ملازم شاہی بارہ ہزاری منصب رکھتے تھے۔ جب حضرت محمد سچیار کے خدام میں داخل ہو کر سلسلہ نوشاہیہ اختیار کیا تو تمام دولت لُٹا دی۔ آپ کی عمر ۱۰۵ سال کی تھی۔
سید کامل شاہ (۴۱)	جنوب رویہ موضع	وفات سنہ ۱۰۰۵ھ ہفتم ۱۵ صفر	.. ..	آپ بعہد اکبر بادشاہ لاہور تشریف لائے تھے اکبر بادشاہ کا خانساماں عبدالرحیم آپ کا مُرید تھا۔ اُس نے روضہ آپکا پختہ بنوانا چاہا مگر اُنہوں نے خواب میں منع کر دیا۔ آخر سنہ ۱۳۲۶ھ میں کھیون شاہ سجادہ نشین نے خانقاہ پختہ بنوائی۔
میاں شاہ (۴۲)	شرق رویہ موضع بابو بو لاہور سے فاصلہ تین کوس	وفات سنہ ۱۲۶۹ھ ہفتم ربیع الاول	.. ..	آپکی عمر ۱۶۲ سال کی تھی باوجود اس پیرانہ سالی

کے نہایت مضبوط تھے۔ آپ کا اصل نام احمد شاہ اور وطن دہلی تھا۔ پہلے آپ دینا نگر میں رہے جہاں مرزا فیض بخش سے اپنی لڑکی کی شادی کی۔ بعد ازاں موراں طوائف محبوبہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دروازہ پر لاہور میں آکر بیٹھ گئے کہ مجھ سے نکاح کر دیا کونجوں کے انڈے منگواؤ۔ آپ بحالت مجذوبیت بدررؤں کا پانی پیتے اور تربوزوں اور خربوزوں کے چھلکے کھایا کرتے تھے۔ غرض آپ نے موراں کو اس قدر تنگ کیا کہ اس نے لاہور میں منادی کرادی کہ کوئی شخص اس کو روٹی پانی نہ دے۔ خدا کی قدرت سے انہیں دنوں میں موراں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی مورد عتاب ہو کر قید ہو گئی۔ موراں نے اقرار کیا کہ اگر اب خدا نے مجھے رہائی دیدی تو میں اس فقیر کا کہنا مان لونگی۔ جب موراں نے رہائی پائی تو حضرت کے پاس پا برہنہ جا کر التماس کی کہ یا حضرت کونجوں کے انڈے ملنے تو مشکل ہیں کچھ اور فرمایئے حضرت نے فرمایا کہ ایک بھنگوڑا منگواؤ۔ اور اس میں تم بھی بیٹھو اور اپنی ہمشیرہ مولاں کو بھی بٹھاؤ۔ میرا مرشد مستان شاہ اور میں بھی اس میں بیٹھیں۔ جب سات دفعہ اس بنگوڑے کو جھولا جائیگا تو ہمارا تمہارا نکاح ہو جائیگا۔ غرض موراں نے اسی طرح کیا۔ اور بعد میں کشتی روپیوں کی ایک ہزار کمبل اور ایک ہزار لنگوٹ فقیروں میں تقسیم کئے۔ آپ کے تین بیٹے تھے جندے شاہ۔ رحمان شاہ۔ ستار شاہ۔ مولوی نور احمد صاحب چشتی مؤلف کتاب تحقیقات چشتی لکھتے ہیں کہ میں نے ان تینوں صاحبوں سے اُس کے حسب نسب کی بابت دریافت کیا تو اُنہوں نے کہا کہ ہم نے بارہا اپنے باپ سیلانی شاہ سے اپنے خاندان اور حسب نسب کی بابت پوچھا تھا وہ صرف اتنا ہی کہتے تھے کہ ہم فقیر ہیں آخر ایک دن ہم تینوں بھائیوں نے نہایت دق ہو کر پوچھا تو اُنہوں نے فرمایا کہ میں محمد شاہ بادشاہ دہلی کا بیٹا ہوں نام میرا احمد شاہ ہے۔ جب نادر شاہ ایران سے دہلی میں آیا۔ اور جنگ کرنال شروع ہوئی تو میں بسرکردگی افواج مرہٹہ اس جنگ میں موجود تھا۔ جب ہماری فوج کو شکست ہوئی تو میں کہیں کا کہیں نکل گیا۔ پھرتا پھراتا اور اپنے آپ کو سیلانی شاہ مشہور کراتا قصور میں پہنچا۔ وہاں سے کوہستان جموں جا نکلا۔ جہاں راجہ سنسار چند نے مجھے شاہزادہ خیال کر کے بارہ برس تک مہمان رکھا۔ ایک رات خواب میں میں نے ایک فقیر کامل مستان شاہ کی نورانی شکل دیکھی۔ سب مال و اسباب لٹا دیا اور ان کو تلاش کرتا ہوا ملتان پہنچا۔ جہاں اس سے نیاز حاصل ہوئی۔ ملتان سے میں اور میرا مرشد دونوں لاہور آگئے +

نام	مزار کہاں ہے	سن تولید و تا ختم	تاریخ عُرس	مختصر کیفیت
سیدسر (۴۳)	متصل فرودگاہ ریلوے شمال رویہ روضہ پیر مُہکا و مقبرہ حضرت جان محمدؒ حضوری	..	..	آپ کا اصل نام سید عبدالخالق ہے۔ آپ حضرت جان محمدؒ

حضوری کے رشتہ دار تھے۔ سید عبدالخالق صاحب ولی کامل اور عالم متبحر تھے۔ آپ نے جب ایک مدرسہ علم دینی کا مقرر کر کے ایک تالاب خام کھدوایا۔ تو نام اُس کا محلہ سیدسر مشہور ہو گیا (سر بزبان پنجابی تالاب کو کہتے ہیں۔

نام	مزار کہاں ہے	سن تولید و تا ختم	تاریخ عُرس	مختصر کیفیت
شیخ حسّو تیلی (۴۴)	بطرف شمال کلب گھر	وفات ۳ر شوال ۱۰۰۳ھ ہجری	۳ر ماہ شوال	آپ پہلے دوکان قصابی کیا کرتے تھے۔

چنانچہ اب تک اُن کی دوکان شرق رویہ چوک جھنڈا براستہ حویلی مہاراجہ کھڑک سنگھ موجود ہے۔ مشہور ہے کہ دوکاندار لوگ سودا کم تولا کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ بھی کیا کرتے تھے۔ ایک دن آپ نے بخدمت حضرت شاہ جمال حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھکو خدا کا رستہ بتاؤ۔ اُنہوں نے فرمایا کہ برابر تولا کرو۔ آپ نے یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ جب کوئی گاہک غلّہ لینے آتا تو آپ اس کو کہہ دیتے کہ ترازو اور سنگ ترازو موجود ہے مقررہ نرخ پر اپنے ہاتھ سے تول لو۔ اس صداقت میں یہانتک برکت ہوئی کہ آپ کے سنگ ترازو طلائی ہو کر حضرت شاہ جمال کی نذر کئے۔ حضرت نے فرمایا کہ نذر تو ہمیں قبول مگر اس (سنگ ترازو) کو دریا میں جا کر پھینک دو۔ شیخ حسّو تیلی نے سنگ ترازو کو دریا میں پھینک دیا۔ کچھ دنوں کے بعد ایک کمہار جب دریا سے گذرتا تھا تو اُس کے پاؤں کو کچھ چوٹ لگی۔ جب دیکھا تو طلائی پتھر یا اینٹ کا شبہ ہوا۔ باہر نکالنے پر سنگ ترازو نظر آیا وُہ پہچان کر شیخ حسّو تیلی کے پاس لے آیا۔ آپ پھر اس سنگ ترازو کو لیکر حضرت شاہ جمال کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اور تمام واقعہ کہہ سُنایا۔ حضرت نے فرمایا کہ دیکھ حسّو سچ دریا میں پھینکا ہوا بھی ضائع نہیں ہوتا۔ آپ اُسی تاریخ سے خاندان سہروردیہ میں شامل ہو کر حضرت کے مُریدوں میں داخل ہو گئے۔ پھر کچھ عرصہ تک آپ تیل بیچتے رہے۔ آپ کے عرس کے دن تمام تیلی لوگ جمع ہوتے ہیں اور خوب رونق

سے عرس و فاتحہ ہوتی ہے۔ آپ کے خادم حضرت سعد اللہ برقعہ پوش بھی صاحب کرامت و صاحب کشف تھے۔ حضرت مادھو لال حسین اور حضرت حسو تیلی ایک ہی زمانہ میں گذرے ہیں۔

تکیہ گنج علی شاہ (۴۵) گنج علی شاہ کا تکیہ متصل مکان تلجے شاہ بیرون موچی دروازہ واقعہ ہے۔ شاہانِ مغلیہ کے عہد میں یہاں ایک حمام بنام دریام شاہ موجود تھا۔ جبکو سنہ ۱۲۳۱ ہجری میں بحکم مہاراجہ رنجیت سنگھ اس خیال سے گرایا گیا کہ اس عالیشان حمام میں کوئی مخالف آکر پناہ نہ لے۔ گنج علی شاہ ایک فقیر خادم تھا۔ اصل میں یہ جگہ دریام شاہ کی ہے۔ جو بعہد بہادر شاہ خاندان چشتیہ کے ولی کامل ہو گذرے ہیں۔

شہنشاہِ اکبر اور اہلِ باطن

اکبر ہندوستان کا بہترین اور ہر دلعزیز اور نہایت مدبر شہنشاہ گنا جاتا ہے۔ اور ہمارا یقین ہے کہ اگر اسکی اولاد اس کی پالیسی پر چلتی تو حکومت اور خاندان مغلیہ کا وہ دردناک حشر نہ ہوتا جو آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کا عہد حکومت مذہب اسلام کے لئے جس میں وہ پیدا ہوا تھا اور جس پر آخیر دم تک قایم رہا کچھ مفید ثابت نہ ہوا۔ بلکہ اکبر نے اسلام کو بہت سا ضعف پہنچایا۔ جس کی صداقت کے لئے تاریخوں کے اوراق کھلے ہوئے ہیں۔ ہمارا روئے سخن اسوقت صرف اہل باطن کی طرف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اکبر فقرا اور صاحبدل بزرگوں کا معتقد تھا۔ اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ شیخ سلیم چشتی کے پاس پیدل جاتا اور خواجہ خواجگان حضرت معین الدین اجمیری کی بارگاہ معلیٰ کیلئے بھی پا پیادہ سفر کرتا ہے تو ماننا پڑتا ہے کہ واقعی وہ فقیر دوست اور اہل اللہ تھا۔ لیکن جب ہم اسکے حالات پر ایک غائر نظر ڈالتے ہیں۔ اور ابو الفضل اور فیضی کے کارناموں کو دیکھتے ہیں تو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ان دونوں بھائیوں کی تعلیم اور صحبت نے اسکے خیالات بالکل پلٹ دیئے تھے۔ چنانچہ تاریخ اس بات کی شہادت دینے سے عاری ہے کہ اکبر نے اپنے بیٹے جہانگیر کیطرح صوفیائے کرام کی خدمات سے ثواب آخرت حاصل کیا ہو۔ اسلئے ہم صرف چند مشہور اہلِ باطن حضرات کی مختصر سے حالات حوالۂ قلم کرتے ہیں جو سنہ ۹۶۳ھ سے سنہ ۱۰۱۴ یعنی اکبر کے زمانۂ حکومت تک خلق اللہ کو ظاہری و باطنی فیوض پہنچا رہے تھے۔ محمد الدین فوق

شیخ نظام

سکنہ (امیٹھ ضلع لکھنؤ) سلوک وجذب دونوں رکھتے تھے۔ تھوڑے دنوں میں اپنے مرشد سے تکمیل علوم اور رخصت کے بعد اپنے وطن میں گوشہ گزین ہو گئے۔ بہت کم لوگوں کو مُرید کرتے تھے۔ دنیاداروں سے بہت کم ملتے تھے۔ وُہ ہر شخص کو خواہ امیر ہو یا فقیر کچھ نقد یا نمک کھانے کو دیا کرتے تھے۔ ۹۷۹ھ ہجری میں آپ واصل بحق ہوئے۔

شیخ نظام الدین نارنولی

آپ چشتیہ طریق کے پابند تھے۔ ابتدائے جوانی سے آخر عمر تک نارنول (پٹیالہ) سے دہلی میں خواجہ قطب الدین کے عرس مبارک پر جایا کرتے تھے۔ فاسق۔ فاجر۔ نیک۔ بد ہر قسم کے آدمیوں کو مُرید کرتے اور فیضان عام کا دروازہ سب کے لئے کھلا رکھتے تھے۔ ۹۹۶ھ میں وفات پائی۔ واہ نظام تاریخ وفات ہے۔

شیخ ادھن جونپوری چشتی

نہایت کثیر الاولاد اور بہت بڑی عمر والے تھے ان کے بیٹے ان کی زندگی ہی میں اس قدر بُوڑھے ہو گئے تھے کہ چھوٹے بڑے اور باپ بیٹے کی کوئی تمیز نہ تھی۔ شریعت۔ طریقت اور حقیقت میں ماہر واکمل اور قوت بیانیہ میں اُستاد کامل تھے۔ ۹۷۰ھ ہجری میں جونپور میں انتقال فرمایا۔ شیخ ادھن ہی تاریخ وفات بھی ہے۔

شیخ وجیہ الدین احمد آبادی

علمائے کبار میں تھے تقویٰ ومجاہدہ ان کی رگ رگ سے ٹپکتا تھا۔ علوم عقلی ونقلی میں ید طولےٰ رکھتے تھے۔ کبھی اہل دنیا کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ گھر میں یا مسجد میں قیام رہتا تھا بہت موٹا کپڑا پہنتے تھے۔ بیماروں کو دُعا کے ذریعہ آپ اکثر شفا بخشا کرتے تھے ۹۹۸ھ سال وفات ہے۔

شیخ جلال الدین قنوجی

باپ دادا کا وطن ملتان تھا لیکن آپ نے قنوج کی رہائش پسند کی مجذوب سالک تھے۔ کبھی جذبہ غالب ہوتا۔ تو چارپائی کی اُودوائین گلے میں ڈالکر بازار میں پھرا کرتے۔ اور درد انگیز شور برپا کرتے تھے۔

شیخ اللہ دیا خیرآبادی

اپنے وقت کے علمائے متبحرین میں سے تھے۔ علوم ظاہری پر عبور تھا۔ جب طریقہ صُوفیا کی طرف رجوع ہوا توکل وتجرید

اور نثار و ایثار کو پہلو میں بٹھایا اور اہلِ دنیا کو ترک کیا۔ ۹۹۰ھ میں عالمِ فانی سے رخصت ہوئے۔

خواجہ عبدالشہید

یہ بزرگ صاحبِ کمال تھے۔ بادشاہ نے ایک پرگنہ وظیفہ میں دے رکھا تھا۔ آپ کے دربار سے دو ہزار فقراء اور مستحقین کی پرورش ہوتی تھی۔ مرنے کے دن قریب آئے تو سمرقند چلے گئے۔ اور وہاں چھٹے دن پہنچنے کے بعد انتقال فرمایا۔

شیخ موسیٰ

آہن گر تھے لیکن صاحبِ کشف و کرامت اکبر کے اوائل سلطنت میں انتقال کیا اور لاہور میں دفن ہوئے۔

شیخ برہان

توکل و تقویٰ اور تجرید و استغنا کے پابند تھے۔ دودھ پر بسر اوقات تھی۔ آخر عمر میں پانی بھی ترک کر دیا۔ سو برس کی عمر میں ۹۷۰ھ میں انتقال کیا۔

شیخ گیور بابا مجذوب گوالیاری

پہلے سپاہیوں میں ملازم تھے۔ جب کچھ معرفت کا علم حاصل ہوا تو نوکری ترک کرائی اور بیوہ عورتوں کے گھروں میں پانی پہنچانا اور خلائق کو بے اُجرت پانی پلانا اختیار کیا۔ جب جذبہ زیادہ ہوا تو وہ کام بھی چھوڑ دیا اور واہی تباہی باتیں شروع کر دیں۔ مراقبہ میں اکثر رہتے تھے۔ کسی کے دل کا مطلب فوراً سمجھ لیتے لیکن جواب بطور ہذیان کے دیتے۔ راتوں کو اکثر کھڑے رہتے تھے۔ کبھی روتے اور کبھی ہنستے تھے۔ ۹۷۲ ہجری میں ایک رات کو نعرہ اللہ اکبر لگا کر جان بحق تسلیم ہوئے۔ فیضی نے تاریخ وفات گیور مجذوب سے نکالی ہے۔

شیخ ابواسحاق فرنگ یا مجذوب کالو لاہوری

لاہور کے اکثر آدمی ان کے مُرید تھے۔ کالو انکے باپ کا نام تھا۔ صوفی مشرب تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں کمال تھا۔ اہل دنیا سے ہمیشہ دُور رہتے تھے۔ بہت کم گو تھے۔ سوائے یاد خدا کے کوئی کام نہ تھا۔ ۹۹۶ ہجری میں سو سال سے زیادہ عمر پا کر وفات پائی۔

شیخ داؤد

لاہور کے قریب ایک مقام جتی یا جھٹی ہے وہاں آپ رہتے تھے۔ مولانا اسمٰعیل سے تکمیل علوم کی۔ کہتے ہیں کہ حضرت غوث الاعظم کی رُوح آپ میں حلول تھی۔ شیخ کو جو کچھ کہیں سے ملتا خدا کی راہ میں لٹا دیتے تھے

سوائے مٹی کی ہنڈیا اور ایک پُرانے بوریے کے ان کی کوئی جائداد نہ تھی۔ باوجود اس کے پیرانِ پیر حضرت دستگیر کا میلا اس شان وشوکت سے کرتے کہ لاکھوں آدمی جمع ہوتے۔ اور سب کو لنگر سے کھانا ملتا۔ صاحب کشف وکرامت تھے۔ ایک دفعہ سلیم شاہ سوری نے بلوایا تو جواب بھیجا کہ دعائے غائبانہ کافی ہے۔ ارباب دنیا کی صحبت پسند نہ تھی۔ ۹۸۲ھ میں واصل بحق ہوئے۔

شیخ سلیم چشتی

اصل وطن دہلی اور شیخ فریدالدین شکر گنج کی اولاد سے تھے۔ اکبر کو ان سے خاص عقیدت تھی۔ شاہزادہ سلیم کی پیدائش کو ان سے خاص تعلق ہے۔ اور آپ ہی کے نام پر شاہزادہ کا نام سلیم رکھا گیا تھا روم۔ بغداد۔ شام اور نجف اشرف اور بلاد مغرب کے سیاح تھے۔ بائیس حج کئے۔ مکہ اور مدینہ میں چار سال قیام کیا۔ وہاں شیخ الہند کے نام سے آپ مشہور ہیں۔ عربی عبارت لکھنے میں بڑی مہارت تھی۔ شیخ ہندی تاریخ وفات اور ۹۷۹ھ سال وفات ہے۔

شیخ محمد غیاث گوالیار

ان کا نام ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں مشہور ہے ابتدائے حال میں بارہ برس تک درخت چنار کے نیچے ریاضت شاقہ کی۔ غاروں میں مسکن رکھا۔ اور درختوں کے پتوں پر بسر اوقات کی۔ اسّی برس کی عمر میں آگرہ میں انتقال کیا۔ اور گوالیار میں سپرد خاک ہوئے۔ مزار مبارک پر بڑی رونق سے سالانہ عرس ہوتا ہے۔ ہمیشہ اپنے آپ کو فقیر کے لفظ سے یاد کرتے تواضع ایسی تھی کہ ہندوں کی تعظیم بھی سرو قد کرتے تھے۔ اس سبب سے بعض لوگ ناراض تھے۔ ایک کروڑ تنکہ اور بعض صاحب ماثر الامرا نو لاکھ روپیہ سالانہ جاگیر مقرر تھی۔ بادشاہ کو آپ سے بیعت تھی۔ مگر یہ بیعت برائے نام تھی۔

شیخ حسین اجمیری

شیخ الہند خواجہ اجمیری کی اولاد سے تھے لیکن دشمنوں کی کارستانی سے تولیت درگاہ سے محروم رہے۔ چونکہ صاحب مقدور تھے اور زندگی امیرانہ بسر کرتے تھے۔ بادشاہ نے اخراج کا حکم دیکر مکہ معظمہ بھیجدیا۔ وہ حج سے واپس آنے پر پھر بادشاہ کی خدمت میں آئے۔ لیکن شرائط آداب جو ابوالفضل اور فیضی کی اختراع سے تھیں۔ بجا نہ لائے۔ بادشاہ ناراض ہوا اور قید کر دیا۔ بادشاہ نے شیخ کے معتمدوں کی اسفارش سے رہائی کے لئے اُن کو اپنے

رُوبرُو بلوایا۔ چند اور قیدی بھی ہمراہ تھے۔ اُن سب نے بادشاہ کو سجدہ کیا۔ لیکن پیر مردنے کہ عمر ۹۰ سال کی تھی آداب و تسلیم کی نئی رسموں سے انکار کر دیا۔ اور پھر جیل خانہ بھیجے گئے۔ آپ کا ہر لمحہ ریاضت و عبادت میں بسر ہوتا۔ صایم الدہر و قایم الیل تھے۔

مولانا میر کلاں

جہانگیر کے سب سے پہلے اُستاد یہی تھے۔ آباو اجداد کا وطن خراسان تھا۔ ماں کا ادب ہمیشہ ملحوظ رہا۔ بلکہ اسی خیال سے ساری عمر شادی نہ کی کہ شاید بیوی ماں کی اطاعت نہ کرے۔ تجرد کی حالت ہی میں بعمر اسّی سال ۹۸۱ھ ہجری میں آگرہ میں انتقال کیا۔

ان کے علاوہ سینکڑوں ہندو مسلمان فقرا صاحب کمال تھے۔ اور بیسیوں ایسے تھے کہ نہ ان کو خود اپنے کمال اور رُتبے سے آگاہی تھی اور نہ خلق اللہ ہی کو اُن کے اعزاز غیبی و رُوحانی سے واقفیت تھی۔

شہنشاہ جہانگیر اور صُوفیائے کرام

جہانگیر کی ولادت اور کرامت اولیا

تاریخ اس بات کی شہادت دینے سے کبھی انکار نہیں کر سکتی کہ جہانگیر کی ولادت کو کرامت اولیا سے تعلق نہ تھا۔ دُوسری تواریخیں چھوڑ کر جہانگیر کی اپنے ہاتھ کی لکھی ہُوئی توزک اس بات کی زبردست شاہد ہے۔ چنانچہ اپنی پیدائش کے حال میں وُہ لکھتا ہے کہ میرے باپ کے ہاں اٹھائیس سال کی عمر تک بیٹا زندہ نہ رہتا تھا۔ آخر میرے باپ نے منت مانی کہ اگر خداوند کریم نے اس مرتبہ بیٹا عنایت کیا۔ اور اُسے زندہ رکھا تو خواجہ معین الدین چشتی کے نورانی روضہ کی درگاہ تک کہ ایک سو چالیس کوس کا فاصلہ ہے۔ آگرہ سے پاپیادہ جاؤں گا۔ میرے والد نے جو درویشوں

ار فقیروں کے کمال معتقد تھے۔ ایک دن شیخ سلیم کی خدمت میں جا کر پوچھا کہ میرے ہاں کتنے بیٹے ہونگے۔ شیخ نے فرمایا تین۔ جب میری والدہ کے جننے کے دن بہت قریب آ گئے تو اُس کو شیخ سلیم کے گھر (فتح پور سیکری) بھیجدیا تاکہ میری پیدائش بھی اُسی جگہ ہو۔ جب میں پیدا ہُوا تو شیخ سلیم نے اپنے مبارک نام کے لحاظ سے میرا نام بھی سلیم رکھا۔"

سلیم کی تعلیم و تربیت اور ولادت میں صُوفیائے کرام کے دخل کا اثر یہ ہُوا کہ باوجود بہت سی بے اعتدالیوں کے جو جہانگیر کی نسبت عام طور پر بیان کی جاتی ہیں اُس نے فقیروں۔ درویشوں اور صُوفیوں کی صحبت ملاقات اور اُن کے احترام سے کبھی گریز نہیں کیا۔ بلکہ اُن کی عزت اور اُن کی خدمت کو ہمیشہ باعث سعادت اور اُن کی محبت کو ہمیشہ ملیہ جنت تصوّر کیا۔ لیکن درویشوں کی اس محبت کے ساتھ شرعی آداب کا وہ سختی سے پابند تھا۔

عُلمایانِ اسلام اور جہانگیر

عمُوماً ہر شب جمعہ کو وُہ علما صلحا اور درویشوں اور گوشہ نشینوں سے صحبت رکھتا تھا۔ اُس کو حرمت شرع کا اس قدر لحاظ تھا کہ اُس نے میر عدل اور قاضی القضاۃ کو جنپر اُمورِ شرعیہ کا مدار ہے سجدۂ زمین بوس اور آداب کورنش سے محض شریعت کے تمام کی خاطر معاف کر دیا تھا۔

زیارت روضہ حضرت محبُوب الٰہیؒ

جہانگیر کی تُوزک اور دیگر تواریخوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک اپنے باغی بیٹے خسرو پر اس نے فتح نہیں پالی وُہ کسی فقیر کامل اور درویش باصفا سے نہیں ملا۔ یا کسی مقدس بزرگ کے روضہ پر نہیں گیا۔ البتہ وُہ باپ کی قبر پر جو سکندرہ میں آگرہ سے پانچ سات میل کے فاصلہ پر ہے اکثر جایا کرتا تھا۔ سب سے پہلے وُہ اپنے بیٹے کی گستاخی

اور نا ہنجاریوں کا قلع قمع کر کے ۱۳ ذی الحجہ ۱۰۱۳ھ ہجری کو جمعہ کے دن شہر دہلی میں داخل ہو کر مقبرہ ہمایوں میں گیا۔ وہاں اپنے ہاتھ سے روپیہ تقسیم کیا۔ یہاں سے حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے روضۂ انور کی زیارت سے آنکھوں کو طراوت بخشی اور حضرت کی رُوح پُر فتوح سے استمداد چاہی۔ اور درویشوں اور فقیروں کو بے شمار روپیہ خیرات کیا۔

جوگیونکی ایک زیارتگاہ کی سیر

جہانگیر ۱۰۱۵ھ ہجری کو کابل کی سیر کو روانہ ہوا۔ اس سیر کا حال بھی اُس نے سفر کشمیر کی طرح تفصیل سے لکھا ہے۔ وُہ لکھتا ہے کہ بدھ کا دن باغ سردار خان میں کہ جو لئے پشاور میں ہے۔ منزل ہوئی اس نواح میں جوگیوں کے مشہور معبد گھور کھتری کی سیر اس خیال سے کی کہ شاید جوگیوں کے اس مجمع میں سے کوئی خضر طریقت نظر آئے تاکہ اُس کی صحبت سے فیض یاب ہو جاؤں مگر فقیر کامل اور صُوفیئے باصفا حکم عنقا اور کیمیا کا رکھتا ہے وُہ عموماً تنہائی پسند ہوتا ہے۔ اس بھرے مجمع میں اُس کا کیا کام۔ ایک جوگی کو لوگوں نے میرے روبرو پیش کیا۔ مگر سوال جواب سے سوائے تیرگی کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ باوجود اس کے دل مکدر ہو گیا۔ کسی کو کچھ نہ کہا۔

شاہی قوالونکی ایک مجلس

۲۴ ذی الحجہ ۱۰۱۸ھ مطابق ۱۰ مارچ ۱۶۱۰ء کو دہلی کے قوالوں کی ایک جماعت مجلس شاہی میں سرود گاتی تھی۔ امیر خسرو کے اس بیت پر ؂

ہر قوم راست راہی دینی و قبلہ گاہی	من قبلہ راست کردم بر سمت کجکلاہی

سیدی خان (ایک امیر درباری) برسم تقلید سماع کرتا تھا۔ بادشاہ نے مُلّا علی احمد مہر کن سے پوچھا اس شعر کی اصلیت کیا ہے۔ اس نے عرض کیا میرے مرحوم فرمایا کرتے تھے۔ کہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء گوشۂ سر پر کلاہ کج رکھے ہوئے اور لب دریا جمنا ایک کوٹھے پر بیٹھے ہوئے ہندوں کے طریق عبادت و پرستش کو

واعظ فرما رہے تھے۔ حضرت امیر خسرو بھی حاضر تھے۔ شیخ نے یہ مصرع ع

ہر قوم راست راہے دینی و قبلہ گاہی

پڑھ کر فرمایا دیکھتے ہو یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ امیر خسرو نے بلاتامل عرض کیا ع

من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے

امیر خسرو کی زبان سے یہ مصرعہ نکلا ہی تھا کہ مُلا علی احمد کے بدن میں ایک رعشہ سا آیا۔ اور وہ سمت کج کلاہ کہتا ہوا واصل بحق ہو گیا۔ بادشاہ کی طبیعت پر اس واقعہ عجیب سے بہت بڑا اثر ہوا۔

ایک سنیاسی سے ملاقات

سنہ ۱۰۲۴ھ ہجری کے واقعات میں لکھا کہ "تال کاکریہ" کے کنارہ پر ایک سنیاسی ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے میں رہتا تھا وہ اہلِ ہنود میں سے تھا۔ لیکن میری طبیعت چونکہ درویشوں کی صحبت کی طرف مائل تھی بلاتکلف شاہی خیموں سے اُس کے فقیرانہ مکان کو روانہ ہوا۔ دیر تک اُس کے پاس بیٹھا رہا۔ میں نے تحقیق کیا وہ سنیاسی حقیقت آگاہی اور معقولیت اور خالص درویشی سے خالی نہیں ہے۔ اسرار تصوف اور رموز معرفت سے خوب واقف ہے۔ بظاہر اُس نے اپنا حال اہلِ فقر و تجرید کے موافق بنا رکھا ہے۔ اور باطن میں دُنیاوی خواہشات سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے۔ بادشاہ لکھتا ہے کہ اور بھی وہاں بہت فقیر تھے لیکن اس سنیاسی سے بہتر میں نے اس طائفہ میں ہاں کوئی نہ دیکھا۔

ارباب مشائخ کی روزہ افطاری

۱۰ رمضان المبارک سنہ ۱۰۲۴ھ ہجری کو جہانگیر کی عمر کا پچاسواں سال شروع ہوا۔ روز جمعہ ۲۲ رمضان کو حکم دیا کہ شہر (آگرہ) کے کل مشائخ و ارباب سعادت اور صوفیان باصفا جو شریعت کے پابند ہیں آج شام کو حاضر ہوں اور میرے سامنے روزہ افطار کریں۔ تین راتیں اسی طرح عمل ہوتا رہا۔ بادشاہ لکھتا ہے کہ میں ہر رات کو آخر مجلس تک کھڑا ہو کر زبان حال سے یہ کہتا تھا ؎

خداوندگارا تو نگر توئی	توانا و درویش پرور توئی
نہ کشور کشائیم نہ فرماں دہم	یکے از گدایانِ ایں در گہم
تو بر خیر و نیکی دہم دسترس	وگرنہ چہ خیر آید از من بکس
منم بندگاں را خداوندگار	خداوندرا بندۂ حق گذار

جو فقیر نہیں آئے تھے اور نقد معاش کے خواستگار تھے۔ میں نے ان کے استحقاق کے موافق ہر ایک کو زمین اور خرچ مرحمت کیا۔

اُجین میں گسائیں جدروپ سے ملاقات

۱۰۲۶ھ ہجری یا اس کے بعد جب بادشاہ اُجین گیا تو وہاں کے مشہور جوگی گسائیں جدروپ سے ملاقات کی جس کا حال وہ اپنی توزک میں اس طرح لکھتا ہے۔ گسائیں جدروپ کے نام سے میں کئی سال سے واقف تھا۔ اُس کی شہرت اور مقبولیت بہت تھی وہ آبادی سے دور ایک گوشہ صحرا میں معبود حقیقی کی پرستش میں مشغول رہتا تھا مجھے اُس کے ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔ میں کشتی سے اُتر کر اور شاہانہ تجمل کو خیرباد کہہ کر پون کوس تک پاپیادہ اُس کی ملاقات کو گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک بھٹ (غار) میں رہتا ہے۔ جس کا طول ۱/۲ ۵ گرہ اور عرض ۱/۲ ۳ گرہ تھا۔ وہ بہت نحیف البدن تھا۔ بھٹ کا طول وعرض اس قدر تھا کہ گسائیں خود ہی اُس میں بمشکل سما سکتا تھا۔ اِس غار میں نہ بوریا تھا۔ نہ فرش کاہی تھا۔ گرمی اور سردی میں باوجودیکہ سوائے ایک لنگوٹی باندھنے کے محض برہنہ رہتا تھا نہ کبھی اُس کو آگ جلانے کی ضرورت ہوتی تھی۔ نہ کپڑا اوڑھنے کی جیساکہ مولانا روم نے فرمایا ہے ؎

پوشش بار وز تابِ آفتاب	شب نہالی و لحاف از ماہتاب

غار کے پاس ہی ایک تالاب تھا جس میں وہ دن میں دو دفعہ نہایا کرتا تھا۔ شہر (اُجین) میں بھی دن میں ایک مرتبہ جایا کرتا تھا۔ شہر میں وہ عام وخاص کے پاس نہیں جاتا تھا۔ صرف سات برہمنوں کے پاس اُس کی آمدورفت تھی جو صاحب اولاد تھے اور جن کی درویشی وقناعت کا اُس کو اعتقاد تھا۔ ان میں سے بھی تین سے زیادہ تعلق تھا اور باوجود

تعلقات کے اُن کے گھروں میں اس شرط سے جاتا تھا۔ کہ وہاں عورت زچہ نہ ہو۔ زن حائض نہ ہو۔ کھانے کے لئے صرف پانچ لقموں کا وعدہ لیتا تھا۔ اور وُہ بھی اس طرح خود بطریق گدائی نیاں بن کر کف دست پر لقمہ رکھتا اور پھر نگل جاتا۔ لقمہ کو بالکل نہیں چباتا تھا۔ اس خیال سے کہ اُس کے ذائقہ سے ادراک لذت نہ ہو۔ وُہ آدمیوں کی ملاقات اور اپنی شہرت کا مطلق خواہاں نہیں تھا۔ بلکہ لوگ جوق جوق اُس کے درشنوں کو جایا کرتے تھے اور اُس کے دیدار کو نعمت غیر مترقبہ سمجھا کرتے تھے۔ وہ دانش سے معمور تھا۔ علم بیدانت سے تو جو علم تصوّف ہے خوب ماہر تھا۔ میں چھ گھڑی اُس کی صحبت میں رہا خوب باتیں کیں اور دل نہایت خوش ہوا۔

متھرا میں گسائیں جدروپ سے دُوسری مُلاقات

بادشاہ جب سیر کشمیر کے لئے آگرہ سے روانہ ہوا اور اثنائے راہ میں متھرا پہنچا تو معلوم ہوا کہ گسائیں جدروپ یہاں آیا ہوا ہے۔ وُہ بے تکلف اُس کے پاس چلا گیا اور معرفت و تصوّف کی خوب خوب باتیں ہوئیں۔ اِس ملاقات کا حال بھی بادشاہ کے اپنے ہی الفاظ میں لکھنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے وُہ لکھتا ہے۔ حق جل و علا نے اُس کو عجیب توفیق عنایت کی ہے۔ فہم عالی و فطرت بلند کے ساتھ عقل خدا داد فراواں رکھتا ہے۔ دُنیاوی تعلقات و آلائش سے آزاد و پاک ہے۔ زر و مال اور طمع دُنیا سے بے پرواہ ہے۔ اپنے حال میں مستغنی و بے نیاز ہے۔ اسباب دنیا میں سے اُس کے پاس آدھ گز لنگوٹی اور ایک مٹی کے برتن کے سوا جس میں وُہ پانی پیتا ہے اور کچھ بھی نہ تھا۔ حکیم سنائی کے یہ شعر اُس کے حسب حال ہیں ؎

داشت لقماں یکے کریچے تنگ　　چوں گلوگاہ نامے و سینہ چنگ
بوالفضولے سوال کرد از وے　　چیست اینجا نشش بدست و دو پے
بادم گرم و چشم گریان پیر　　گفت ہذا لمن یموت کثیر

جب مَیں اِس کے پاس سے رخصت ہوا تو فی الحقیقت اُس کی جُدائی میرے دل کو نہایت ناگوار گذری۔

شیخ عبدالحق دہلوی

دہلی میں شیخ عبدالحق دہلوی نے جو اہل علم و فضل میں کمال رکھتے تھے اپنی ایک کتاب جس میں مشائخ ہند کا احوال درج تھا بادشاہ کو دکھائی۔ شیخ عبدالحق دہلی میں توکل و تجرید کی زندگی بسر کرتے تھے۔ دہلی اور اطراف میں اُن کی نہایت عزت تھی۔ بادشاہ لکھتا ہے "شیخ کی صحبت بے ذوق نہیں ہے۔ وُہ عارف کامل تھا۔ مَیں نے اُس پر طرح طرح کے الطاف کئے"۔

میاں شیخ محمد میر سے ملاقات

جہانگیر لکھتا ہے مَیں نے سُنا لاہور میں میاں شیخ محمد میر ایک درویش سندی الاصل ہیں نہایت مُبارک نفس و صاحب حال و فقر غنی اور دُنیا سے مستغنی میری خاطر حق طلب کو اُن کی مُلاقات کے بغیر قرار نہ تھا۔ اور میرا لاہور جانا بھی مشکل تھا۔ میں نے رقعہ اُن کی خدمت میں بھیجا۔ اور اپنا شوق باطنی ظاہر کیا۔ یہ بزرگ باوجود ضعیف العمری اور نقاہت کے میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے بہت دیر تک تنہائی میں اُن سے باتیں کیں۔ اُن کی ذات اس عہد میں نہایت غنیمت ہے۔ ان سے بہت سی حقائق و معارف کی باتیں سُنیں۔ جو نذر دیتا تھا نہیں لیتے تھے۔ آخر ایک پوست آہو نذر میں پیش کیا جو قبول فرمایا۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی

جہانگیر پر الزام لگایا جاتا ہے کہ اُس نے حضرت مجدد الف ثانی کے ساتھ وُہ سلوک کیا جس سے اُس کی فقیر پرستی اور عقیدت اولیائے اللہ پر پانی پھیر دیا۔ یہ مضمون دراصل ایک الگ بحث کا محتاج ہے۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ جہانگیر اپنی غلطی پر نادم ہوا

اور دوبارہ وُہ سلوک کیا جو بادشاہوں کے لائق تھا۔ بیشتر ازیں لکھا جا چکا ہے کہ وُہ شریعت کا سختی سے پابند تھا۔ وُہ شریعت کی بے حرمتی کسی طرح بھی گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ جب اُس کو معلوم ہوُا کہ حضرت شیخ احمد سرہندی نے ایک کتاب بنام مکتوبات لکھی ہے۔ اور اُس میں یہ بھی لکھا ہے کہ اثنائے سلوک میں مقام ذی النورین پر میرا گذر ہوُا۔ وہاں سے گذر کر میں مقام فاروق میں آیا۔ پھر صدیق میں داخل ہوُا علیٰ ہذالقیاس مقام محبوبیت سے واصل ہوُا۔ وہاں انواع اقسام کے ایسے انوار مجھ پر منکشف ہوُئے کہ میں مقام خلفاء سے گذر کر عالی مرتبت پر پہنچا۔ یہ حالات معلوم کر کے بادشاہ نے اُن کی طلبی کا حکم صادر فرمایا۔ بادشاہ لکھتا ہے کہ میرے سوالوں کا وُہ معقول جواب نہ دے سکے۔ میں نے اس خیال سے کہ خلقت خدا کی گمراہ اور شریعت پامال ہو رہی ہے اور تمام مسلمانوں میں ایک شورش عظیم کا اندیشہ ہے اُن کو قلعہ گوالیار میں قید کر دیا۔ پھر بادشاہ لکھتا ہے کہ ایک سال کے بعد میں نے خود ہی اُن کو قلعہ سے رہائی دی اور ایک بیش قیمت خلعت اور ہزار روپیہ (زادِ راہ کے لئے) نقد دیا۔

حضرت میاںمیر لاہوری اور جہانگیر

ایک دفعہ جہانگیر نے آگرہ سے ایک شاہی قاصد بھیج کر حضرت کو طلب کیا اور حضرت جب وہاں پہنچے تو کمال تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔ حضرت بہت سی نصائح دلپذیر فرماتے رہے۔ جہانگیر نے کہا ملک و دولت چھوڑ کر فقیر ہو جانے کو جی چاہتا ہے۔ آپ مجھے اپنا خادم کریں اور خدا کی راہ بتائیں۔ آپ نے فرمایا تم خلق کی حفاظت کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔ اوّل اپنی طرح کوئی اور شخص خیر خواہ خلق اللہ اور عادل و حلیم اور کریم النفس پیدا کر کے بادشاہ بناؤ پھر تم کو اپنا چیلہ بنا لیں گے۔ بادشاہ اس تقریر سے متاثر اور مسرور ہوُا۔ اور کہا کہ آپ کچھ طلب فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں مجھے رخصت دو۔ اور پھر کبھی حاضر باشی کی تکلیف نہ دو۔

اس کے بعد حضرت لاہور تشریف لے آئے۔ جہانگیر نے ایک دو عریضے آپ کی خدمت میں تحریر کئے۔ ایک عریضہ جو دارا شکوہ نے اپنی کتاب میں نقل کیا

ہے۔ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

بعد از عرض و نیاز مخلص حقیقی بتمام اخلاص بموقف عرض میرساند ؎

قالبم اینجا و جاں در کوئے دوست   خلق پندارد ہمے کہ جاں در قالب است

خدا آں روز آرد کہ دولت قدمبوس حاصل کنم۔ فقط۔

حضرت ایشاں اور جہانگیر

جب جہانگیر نے سُنا کہ حضرت ایشاں کی موجودگی سے کشمیر میں شیعہ اور سُنیوں کا فساد روز بروز بڑھ رہا ہے تو اُن کو اکبر آباد میں طلب کر لیا اور اُن کی نہایت تعظیم و تکریم کی اور معقول روزینہ مقرر کر دیا۔ جہانگیر حضرت ایشان کی ہمراہی کو ہمیشہ باعث فخر سمجھتا رہا ہے۔ ایک مرتبہ بادشاہ کشمیر کی سیر کو تشریف لے گئے حضرت بھی ہمراہ تھے راجوری کے متصل بادشاہی لشکر کو پانی کی کمیابی سے سخت دِقّت محسُوس ہوئی۔ حضرت سے التجا کی پیاس کے مارے لشکر کا بُرا حال ہے۔ بدرگاہ قاضی الحاجات دعا باراںِ رحمت کیجئے۔ آپ نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر دُعا کی۔ ہنوز خاتمہ دُعا کی نوبت نہیں پہنچی تھی کہ شمال کی جانب سے ایک ابر سیاہ نمودار ہو کر آن کی آن میں تمام آسمان پر پھیل گیا اور بارش شروع ہو گئی۔

تمّت

الناظر بک ایجنسی لکھنؤ

کتب تصوف کا عظیم الشان سلسلہ

مشاہیر اسلام و صوفیائے کرام کے حالات زندگی مرتب کرنیسے یہ فائدہ پیش نظر ہے کہ ہم لوگ بھی ان بزرگوں کے روحانی فیوض و برکات سے فیضیاب ہوں اور دیکھیں کہ اسلام نے اپنی عبادہ اور پاک تعلیم سے قرون اولیٰ میں کیسے کیسے علماء مشائخ اور کس پلئے کے اولیاء اللہ پیدا ہوئے ہیں ان بزرگوں نے معرفت کے رموز باطنی کو طشت از بام کردیا اور ان کی یہانتک اشاعت کی کہ آجتک ساری دنیا پر شیوخ باطن کی حکومت ہے۔ ان کے نقش قدم پر چلنے کیواسطے ان کے حالات سے واقف ہونا ضروری ہے۔ اس لئے کارخانہ پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات پنجاب نے یہ سلسلہ شروع کیا ہے اور اس غرض سے کہ ہر ایک شخص آسانی سے خرید کر مطالعہ کر سکے قیمت نہایت کم رکھی ہے۔ فی الحال نمبران ذیل تیار ہیں۔ شائقین خود پڑھیں اور اپنے بچوں اور مستورات کو پڑھائیں۔ اہل ثروت خرید کر غربا مسلمان طالبعلموں میں تقسیم فرمادیں ✦

اس میں رعایتی قیمتیں درج کی گئی ہیں

(۱) حضرت منصور بن حلاج ۔/ (۲) حضرت خواجہ شمس الدین حافظ شیرازی ؒ ا/ (۳) حضرت شاہ سلیمان تونسوی ؒ ا/
(۴) حضرت امیر خسرو ؒ ۔/ (۵) حضرت خواجہ بصری ؒ ا/ (۶) حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ ۔/
(۷) حضرت غوث الاعظم جیلانی ؒ ا/ (۸) حضرت سلمان فارسی ؓ ۔/ (۹) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی ؒ ا/
(۱۰) حضرت شیخ سنوسی ؒ ا/ (۱۱) حضرت امام بخاری ؒ ا/ (۱۲) حضرت سرمد شہید ؒ ا/ (۱۳) حضرت شیخ بو علی قلندر ؒ ا/
(۱۴) حضرت بابا فرید گنجشکر ؒ ا/ (۱۵) حضرت عبداللہ بن عمر ؓ ا/ (۱۶) حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ؒ ۔/
(۱۷) حضرت شیخ محی الدین ابن عربی ؒ ا/ (۱۸) حضرت عمر خیام ؒ ا/ (۱۹) حضرت شہباز قلندر ؒ ۲/
(۲۰) حضرت امام شافعی ؒ ا/ (۲۱) حضرت خالد بن ولید ؓ ۲/ (۲۲) حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ ۲/
(۲۳) حضرت جنید بغدادی ؒ ۔/ (۲۴) حضرت امام غزالی ؒ ۲/ (۲۵) سلطان صلاح الدین غازی ؒ ۲/
(۲۶) حضرت امام حنبل ؒ ا/ (۲۷) حضرت امام ابو نجیب سہروردی ؒ ۔/ (۲۸) حضرت کرشن معظم ؒ ۔/
(۲۹) حضرت مخدوم علی علاؤالدین احمد صابری کلیری ؒ ۔/ (۳۰) حضرت شبلی ؒ ۔/ (۳۱) شیخ ابو سعید ابوالخیری مہنوی ؒ ۔/ (۳۲) غازی عثمان پاشا شیر پلونا ؒ ۲/ (۳۳) شمس العلما حافظ نذیر احمد صاحب ا/ (۳۴) شمس العلما حافظ محمد حسین صاحب آزاد ا/ (۳۵) خلیفہ سلطان عبدالمجید خان غازی ۲/ (۳۶) آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں مرحوم ۲/ (۳۷) نواب محسن الملک مہدی علیخان صاحب ا/ (۳۸) آنریبل سید امیر علی صاحب ۔/

ایک بڑی رعایت ۳۸ کتابوں کے مکمل خریدار سے بجائے مجموعہ اصلی قیمت کے علاوہ محصول ڈاک صرف ؏ لئے جاوینگے۔ ۳۸ کتابوں کا حجم دو ہزار صفحے سے زیادہ ہے ✦

شمس تبریز مولانا روم علیہ الرحمتہ کے مرشد حضرت خواجہ شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات مع خوارق عادات میں کتاب اعلیٰ درجہ کی تصنیف ہے۔ قیمت چھ آنے (۶/)

المشتہر

منیجر کارخانہ صوفی آبحیات ڈرگخانہ صوفی آبحیات پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات

دیارِ حبیب صلعم کے قابلِ دید مناظر کے عکسی تصاویر

یہ فوٹو نہایت محنت سے تیار کرائے گئے ہیں۔ پہلے دس فوٹو تیار تھے اب اکیس فوٹو کا سٹ تیار ہے۔ قیمت فی عدد تین آنے اکیس فوٹو کا مکمل سٹ (عاکر) دس فوٹو ایک روپیہ آٹھ آنے علاوہ محصول ڈاک +

(۱) روضہ شریف حضرت سرورِ کائنات صلعم کا رنگین فوٹو (۲) کعبۃ اللہ بیت اللہ شریف کا فوٹو سیاہ ریشمی غلاف اور اس پر سنہری حروف جو فوٹو میں اچھی طرح پڑھے جاتے ہیں۔ (۳) مدینہ منورہ کا نظارہ (۴) مکہ معظمہ میں نماز جمعہ کا دلچسپ نظارہ (۵) میدان عرفات میں لوگوں کے خیمے اور قاضی صاحب کا جبل رحمت پر خطبہ پڑھنا (۶) شیطان کو کنکر مارنے کا نظارہ یعنی رمی (۷) میدان منا میں حاجیوں کے کیمپ اور مسجد خیف کا سین (۸) جنت المعلےٰ واقعہ مکہ معظمہ جس میں حضرت خدیجہؓ حرم رسول کریم صلعم اور حضرت آمنہؓ والدہ حضرت سرورِ کائنات کے مزار کے فوٹو بھی ہیں (۹) جنت البقیع جس میں مزارات اہل بیتؓ امہات المومنین و بنات النبی حضرت عثمان غنیؓ و شہدائے بقیع وغیرہ (۱۰) کعبۃ اللہ کے گرد حاجی طواف کر رہے ہیں (۱۱) کوہ صفا و مروہ اور وہاں جو کلام مجید کی آیت کریمہ منقش ہے وہ فوٹو میں حرف بحرف پڑھی جاتی ہے (۱۲) روضہ شریف حضرت سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا سادہ فوٹو (۱۳) مسجد حضرت عائشہ صدیقہؓ جہاں سے حاجی عمرہ باندھتے ہیں (۱۴) محمل شامی کا میدان عرفات میں قابل دید نظارہ (۱۵) محمل مصری کا شاندار سین (۱۶) پرانے مدینہ میں اسلام کی پہلی مسجد قبا جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے سب سے اول تیار کی اور کرائی (۱۷) سیدنا امیر حمزہ کا مزار جو جنگ احد میں شہید ہوئے (۱۸) بیت المقدس کی مسجد اقصےٰ (۱۹) حرم شریف بیت المقدس میں رحمت اور توبہ کے دروازے (۲۰) صخرہ یعنی وہ بہشتی پتھر جو مسجد اقصےٰ میں معلق تھا اس کا فوٹو اور مسجد کے اندر کا قابل دید نظارہ (۲۱) بیت المقدس میں مسجد سیدنا حضرت عمرؓ اور شہر کا عام دلچسپ سین +

یہ وہ نقشے نہیں جو بمبئی وغیرہ کے بازاروں میں عام طور پر فروخت ہوتے ہیں۔ یہ اصلی فوٹو ہیں اس لئے آپ ان کو منگا کر اپنے مکانوں اور کمروں کو زینت بخشیں۔ روضہ شریف کا رنگین فوٹو۔ قیمت ۶ر سائز ہر ایک فوٹو ۱۴ + ۱۱ انچ ہے۔ لیکن مکمل سٹ کے ساتھ یہ رنگین فوٹو اسی قیمت یعنی عاکر میں دیا جاتا ہے علیحدہ ۶ر کو ملتا ہے +

المامون مامون رشید عباسی خلیفہ بغداد کے حالات زندگی اور اس عہد کی سچی تصویر قیمت (عہ)

سیرۃ النعمان حضرت امام ابو حنیفہ کے حالات زندگی مولفہ مولانا شبلی نعمانی۔ قیمت۔ (عہ)

الغزالی حضرت امام غزالی کی سوانح عمری اور ان کی تصانیف پر مکمل تبصرہ از مولانا شبلی قیمت (عاکر)

المشتہر

منیجر کارخانہ صوفی آبحیات ڈاکخانہ صوفی آبحیات پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات